A-PDF Image To PDF Demo. Purchase from www.A-PDF.com to remove the watermark

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز ۱۲

موت کی حویلی

اشتیاق احمد

جملہ حقوق بحق پبلشرز محفوظ ہیں

نام ناول ——— موت کی حویلی

طابع ——— اشتیاق احمد

کتابت ——— سعید نامدار

سرورق ——— محمد مقصود عنید

قانونی مشیر ——— شمیم احمد ایڈووکیٹ

مطبع ——— عظیم علیم پرنٹرز

قیمت ——— دس روپے

اشتیاق پبلی کیشنز

۹/۱۲ نصیر آباد — مسلم پورہ — سانده کلاں — لاہور

فون نمبر: 321537

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے لگتے تو اپنے دونوں ہاتھوں میں معوذتین پڑھ کر پھونکتے اور ان کو اپنے سارے بدن پر پھیرتے ہیے

سُنن ابنِ ماجہ شریف، جلد سوم
صفحہ نمبر ۲۲۵، حدیث نمبر ۷۶۶

(سے ترمذی شریف کی روایت میں قُل ھو اللہ احد بھی ہے)

دو باتیں

السلام علیکم !

"موت کی حویلی" انسپکٹر جمشید سیریز کا بارہواں ناول ہے۔ اس ناول کا بھی آپ کو کافی انتظار کرنا پڑا۔ پڑھنے کے بعد اگر لطف نہ آئے تو پیسے ہرگز واپس نہیں ہوں گے، کیونکہ میں ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا کرتا۔ اگر پڑھتے وقت آپ ڈر جائیں اور اس حد تک ڈر جائیں کہ تھر تھر کانپنے لگیں تو میرا مشورہ ہے کہ کتاب فوراً بند کر دیں، اپنے اوسان بحال کریں اور دوسرے دن کے اُجالے میں پڑھیں، اجالے میں بھی خوف محسوس ہو تو بلب جلالیں، دن میں رات کا سماں کر لیں، اس سے بھی کوئی فرق نہ پڑے تو..... بس میں اس سے آگے کوئی ترکیب نہ بتا سکوں گا۔ ناول میں اگر آپ کو محمود، فاروق اور فرزانہ کم باتیں کرتے نظر آئیں تو انہیں معاف کر دیجیے گا، کیونکہ انہیں اجازت ہی نہیں دی گئی تھی۔ تاہم ان کے کام کاج میں آپ ضرور تیزی محسوس کریں گے، نہ کریں تو بھی اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہو گا، اس صورت میں آپ کو ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کر لینا چاہیے کہ کہیں آپ کی محسوس کرنے کی حس میں کوئی نقص واقع تو نہیں ہو گیا۔ شکریہ!

[illegible stamp]

گوشت کا پہاڑ

دو کاریں ہوٹل آبشار کے سامنے آ کر رکیں۔ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق، فرزانہ اور بیگم جمشید کے علاوہ ان کاروں سے پروفیسر داؤد، شائستہ، خان رحمان، ان کے تینوں بچے اور بیگم بھی اترے۔ وہ ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھے۔ انسپکٹر جمشید نے کاؤنٹر پر پہنچ کر کہا:

"خان رحمان کے نام پر تین کمرے بک کرائے گئے تھے، ان کمروں کے نمبر بتا دیں اور یہ بھی کہ کتنا کرایہ ایڈوانس جمع کرانا ہو گا۔"

اتنے میں خان رحمان بھی وہاں پہنچ گئے۔ کلرک رجسٹر دیکھنے لگا، پھر اس کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کے منہ سے نکلا:

"وہی ہوا، جس کا ڈر تھا۔"

"کیا بات ہے، تمہیں کس بات کا ڈر تھا۔"

"آپ کے تینوں کمروں پر پروفیسر ڈبلنگ نے قبضہ کر لیا ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا وہ دہرا ہے۔" فاروق پوچھ بیٹھا۔ "یا پھر بے تحاشا موٹا۔"

"یہ اس کا نام ہے۔" اس نے بوکھلا کر فاروق کی طرف دیکھا۔

کمرے جب ہمارے نام پر بک کر دیے گئے تھے تو پھر اسے قبضہ کیوں کرنے دیا گیا؟"

"آپ ..... آپ پروفیسر ڈبلنگ کو نہیں جانتے، وہ جب بھی قصبہ دل دار بیگ میں آتا ہے، ہمارے ہوٹل میں ہی ٹھہرتا ہے، اس نے آج تک کمرے پہلے سے بک نہیں کرائے۔ بس جن کمروں میں اس کا جی چاہتا ہے، ان پر قبضہ کر لیتا ہے، کبھی کرایہ بھی نہیں دیتا، اس کے باوجود ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اسے کمروں پر قبضہ کرنے سے نہیں روک سکتے۔ مجھے افسوس ہے، آپ کو تکلیف ہوئی، لیکن میں آپ کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔"

"آخر کیوں! یہ پروفیسر ڈبلنگ ہے کون ہے؟" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔ خان رحمان کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

"وہ قصبہ دل دار کے ایس، پی کا سسر ہے، ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔" کلرک نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

"اوہ!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ "یہ لعنت نہ جانے کب ہمارے ملک سے ختم ہو گی..... لوگ اپنی حیثیتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا کب بند کریں گے۔ اچھا یہ بتاؤ، تم نے کمرے تو ہمارے نام پر بک کر رکھے ہیں نا؟"

"جی ہاں! یہ دیکھیے ـــ کمرہ نمبر ایک سو گیارہ، بارہ، تیرہ، بنام خان رحمان صاحب۔"

"بہت خوب! اب تم یوں کرو کہ ہم سے ان تینوں کمروں کا پندرہ دن کا کرایہ وصول کر کے رسید لکھ دو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، اس سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔" کلرک نے پریشان ہو کر کہا۔

"جو میں کہہ رہا ہوں، وہ کرو، بلکہ ہو سکے تو کرایہ کل کی تاریخ میں جمع کر لو۔"

"دیکھیے! اس سے جھگڑا مول نہ لیں، بہت برا آدمی ہے۔"

"بروں سے ہی تو جھگڑا مول لینا چاہیے، نہ کہ اچھوں سے۔" خان رحمان نے منہ بنایا۔

"میری نوکری جاتی رہے گی۔" اس نے گڑگڑا کر کہا۔

"کتنی تنخواہ ملتی ہے یہاں سے۔" خان رحمان جھلا کر بولے۔

"نو سو روپے ماہوار۔" کلرک نے بے خیالی میں کہا۔

"میں تمہیں پندرہ سو روپے ماہوار کی ملازمت دوں گا، جو کہا ہے، وہ کرو۔"

"بہت بہتر! آپ بائیس سو پچاس روپے جمع کرا دیں، میں رسید لکھے دیتا ہوں۔"

"پچاس روپے فی کمرہ روزانہ؟" پروفیسر داؤد نے حساب لگا کر پوچھا۔

"جی ہاں! اس بھاؤ میں تو یہاں جتنے کمرے جی چاہے کرائے پر
اٹھا دو، لیکن صرف ان دو مہینوں میں، سیر کے لیے آنے والوں کی
تعداد کا کیا پوچھنا" کلرک نے کہا۔

خان رحمان نے منہ سے ایک لفظ کہے بغیر بائیس سو پچاس روپے
گن دیے، اس سیر کا پروگرام انہوں نے ہی بنایا تھا اور تمام خرچ
اپنے ذمے لیا تھا، حالانکہ انسپکٹر جمشید اور پروفیسر داؤد اس
بات کے حق میں نہیں تھے اور ان کا مطالبہ تھا کہ خرچ بعد
میں تقسیم کر لیں گے، لیکن خان رحمان بھلا کہاں ماننے والے تھے۔ ان
کی ضد کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔

کلرک نے رسید لکھ کر ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

"دوسری منزل پر کمرہ نمبر ایک سو گیارہ، بارہ اور تیرہ"

"ٹھیک ہے، ہمارا سامان ان کمروں کے دروازوں پر پہنچوا
دیں، آگے ہم خود دیکھ لیں گے" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ اس سے نہ جھگڑیں،
اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال لیں گے" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"آخر کیوں! ہم نے کمرے بک کرا رکھے ہیں، کرایہ ادا کر چکے
ہیں، پھر کوئی کیسے ہمارے کمروں پر قبضہ کر سکتا ہے، اگر وہ ایس
پی کا سسر ہے تو کیا ہوا، ایس پی قانون کا محافظ ہے، نہ کہ
قانون توڑنے والا۔"

"قانون تو اس کے گھر کا ہے" کلرک بولا۔

"خیر دیکھا جائے گا، تم بے فکر رہو، تم پر کوئی آنچ نہیں
آئے گی۔"

وہ لفٹ میں سوار ہو کر دوسری منزل پر اتر گئے۔ ایک بیرا
رہنمائی کے لیے ساتھ آیا تھا، لیکن انہیں کمرہ نمبر ۱۱۱، ۱۱۲ اور ۱۱۳ دور
سے دکھا کر ہی واپس مڑ گیا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار
طاری تھے.... وہ ان کمروں کی طرف بڑھے۔

دوسری طرف عجیب معاملہ ہوا، جو بیرا انہیں اوپر تک چھوڑنے
آیا تھا، اس نے یہ ذکر دوسرے بیرے سے کر دیا، بس پھر کیا تھا،
پورے ہوٹل میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ پروفیسر
ڈہانگ سے اپنے کمرے خالی کرانے کے لیے کچھ لوگ اوپر گئے ہیں،
لفٹ بار بار دوسری منزل پر آنے لگی، لوگ اس کے ذریعے اس
منزل پر آ رہے تھے۔ دوسری منزل میں ٹھہرے ہوئے لوگوں کو
بھی پتا چل گیا، کمروں کے دروازے کھلنے لگے۔

اتنے میں وہ اپنے کمروں کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ انسپکٹر
جمشید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی، دروازہ چند لمحوں
کے بعد کھل گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

ان کے سامنے گوشت کا ایک پہاڑ کھڑا تھا۔

اس کا قد تو چھ فٹ سے زیادہ تھا ہی، چوڑائی بھی بے تحاشہ تھی،
جسم پر ہر طرف گوشت ہی گوشت نظر آ رہا تھا، پورا دروازہ اس
کے جسم سے رک گیا تھا۔ اس کے جسم میں اگر کوئی چیز چھوٹی تھی
تو وہ اس کی آنکھیں، بہت ہی ننھی ننھی اور اندر کو دھنسی ہوئی،
چہرے کے گوشت نے انہیں ڈھک لیا تھا، شاید اسی لیے وہ
کچھ زیادہ ہی چھوٹی نظر آتی تھیں۔

چند لمحے کے لیے وہ حیرت زدہ انداز میں اسے دیکھتے رہ گئے۔
دوسری طرف پروفیسر ڈبلنگ بھی انہیں گھور رہا تھا، آخر اس نے کہا،

"کیا بات ہے، تم لوگ کون ہو؟" اس کے منہ سے نکلنے والی
آواز ایسی تھی جیسے بادل گرجے ہوں۔ فاروق نے تو اس موقعے پر
بوکھلا کر آسمان کی طرف بھی دیکھنا چاہا تھا کہ کہیں بارش تو نہیں
ہونے والی، لیکن وہ آسمان کے نیچے نہیں، ایک ہوٹل کی دوسری
منزل میں کھڑے تھے۔ آسمان وہاں کہاں نظر آتا۔

"تو تم ہو پروفیسر ڈبلنگ۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنا کر کہا۔

"تمہیں میرا نام بالکل ٹھیک بتایا گیا ہے۔ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

"ارادہ تو یہی تھا کہ تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں، لیکن یہ ممکن
نظر نہیں آتا، اس کے لیے تو شاید کرین کی ضرورت پڑے گی۔"
خان رحمان مسکرائے۔

"یہ کیا بکواس ہے، کس میں اتنی ہمت ہے جو مجھے اٹھا کر

پھینک سکے۔"

"کرین میں اتنی ہمت ضرور ہے۔" فاروق بولا۔

"شٹ اپ! کون ہو تم لوگ۔"

"ان تینوں کمروں کے پندرہ دن تک کے لیے کرایے دار، تم
نے ہمارے کمروں پر قبضہ کیا ہے، اس لیے فوری طور پر انہیں
خالی کر دو۔" پروفیسر داؤد پہلی مرتبہ بولے۔

"بہت خوب! تو یہ کمرے تمہارے ہیں، پھر تو چلتے پھرتے
نظر آؤ۔" پروفیسر ڈبلنگ نے کہا۔

"یہ کوئی پارک تو نہیں ہے، جہاں چلتے پھرتے نظر آئیں،
اگر تمہیں ہمیں چلتے پھرتے دیکھنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ہمارے
ساتھ کسی تفریحی مقام تک چلو، ہم نہ صرف خود چلیں پھریں گے
بلکہ تمہیں بھی چلائیں پھرائیں گے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ بھی انگلی پکڑ کر۔"

"یہ بچے بڑے بدتمیز ہیں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"یہ بدتمیز نہیں ہیں، بدتمیزوں کو تمیز سکھانے کے ماہر ہیں۔"
خان رحمان بولے۔

"سنو! میں تمہیں کسی غلط فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا، پہلے یہ
دیکھ لو کہ میں کون ہوں، کیا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کمرے کے
اندر چلا گیا اور میز کے پاس جا کھڑا ہوا، میز مضبوط لکڑی کی اور

بہت بھاری تھی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اوپر اٹھایا اور میز کے درمیان دے مارا۔ تڑاک کی آواز آئی اور میز ٹوٹ کر فرش پر گر گئی۔

"معلوم ہوتا ہے، یہ صاحب کسی سرکس میں کام کرتے رہے ہیں۔" فرزانہ گنگنائی۔

"تم نے دیکھا، میں اسی طرح تمہاری کھوپڑیوں کو بھی دو دو ضرب دے سکتا ہوں..... پھر تم میں سے ہر ایک کے پاس دو کھوپڑیاں ہوں گی۔" پروفیسر ڈبلنگ نے کہا۔

"بھئی واہ! دو دو کھوپڑیاں، اچھا آئیڈیا ہے۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"اور اگر تمہیں موت کا اتنا ہی شوق ہے تو پھر جا کر موت کی حویلی میں ٹھہرو، رات کے وقت موت خود ہی تمہیں آ دبوچے گی اور اس طرح مجھے کوئی تکلیف نہیں کرنی پڑے گی۔" اس نے کہا۔

"موت کی حویلی؟"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔ ان کی آنکھیں حیرت سے چمک اٹھیں۔

"ہاں! اس قصبے میں تم جیسے لوگوں کے لیے موت کی حویلی موجود ہے۔ اس میں موت ہی موت ہے۔"

"اس سے تو ہم بعد میں نبٹیں گے، پہلے تم سے سمجھ لیں۔"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید آگے بڑھے۔ پروفیسر ڈبلنگ انہیں اس طرح مذاق اڑانے والے انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے کوئی ننھا سا بچہ کسی دیو کی طرف بڑھ رہا ہو۔ اس نے اپنے ہاتھ پیر ہلانے کی کوشش بھی نہیں کی۔

انسپکٹر جمشید نہایت اطمینان سے اس کے پاس گئے، پھر ان کا دایاں ہاتھ حرکت میں آیا، انہوں نے چشم زدن میں پروفیسر ڈبلنگ کا ہاتھ پکڑا اور ایک جھٹکا دیا..... نہ جانے یہ جھٹکا کس قسم کا تھا، کہ گوشت کا پہاڑ گویا لڑھکتا ہوا دروازے کی طرف چلا، پیچھے سے انسپکٹر جمشید نے پوری طاقت سے ایک لات اس کی کمر پر رسید کر دی، یہ لات اسے فوری طور پر دروازے کی طرف لے گئی اور وہ دھڑام سے منہ کے بل گرا، اس طرح کہ اس کا آدھا دھڑ دروازے سے باہر اور آدھا کمرے میں تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اسی پر بس نہیں کی، آگے بڑھ کر اس کے بائیں پاؤں کی ایڑی پر اپنا جوتا رسید کیا جس سے اس کی انگلیاں پورے زور سے مڑیں اور وہ اس طرح ڈکرایا جیسے کوئی بہت بڑا بھینسا۔ اب انہوں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر اوپر اٹھائیں، اس کا آدھا دھڑ فرش سے اوپر اٹھ گیا، ٹانگیں پکڑ کر وہ کمرے سے نکل آئے اور ایک دو قدم تک اسے گھسیٹ کر ٹانگیں چھوڑ دیں۔

"اب تم لوگ اس کا سامان کمرے سے اٹھا کر اس کے اوپر

پھینک دو۔" انہوں نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن باقی دو کمروں میں کیا ہے؟" خان رحمان نے کہا۔

"ابھی کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔"

۱۱۲ اور ۱۱۳ کے دروازے بند تھے۔ انہوں نے پروفیسر ڈبلنگ کی جیبوں کی تلاشی لی تو چابیاں مل گئیں۔ وہ آگے بڑھ کر دروازے کھولنے لگے۔ دوسری طرف محمود، فاروق اور فرزانہ کمرہ نمبر ۱۱۱ میں گھس گئے تھے اور پروفیسر ڈبلنگ کا سامان اُٹھا اُٹھا کر باہر پھینک رہے تھے۔ تماشائیوں کی حیرت کا کیا پوچھنا! شاید انہوں نے ایسا منظر اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔

سامان باہر پھینک کر وہ انسپکٹر جمشید کی طرف متوجہ ہوئے جو دونوں کمروں کے دروازے کھول چکے تھے اور ان کا منہ مارے حیرت کے کھلا تھا۔

"کیا ہوا ابا جان! کیا آپ کو ان کمروں میں الٰہ دین کا کوئی جن نظر آ گیا ہے؟"

"ان کمروں میں شراب کی بوتلیں موجود ہیں، ہمارے ملک میں شراب پر پابندی ہے، لہٰذا پروفیسر کا جرم سنگین ہو گیا ہے، اب پولیس کو فون کرنا پڑے گا۔" انہوں نے کہا۔

اسی وقت انہوں نے تیز قدموں کی آواز سنی۔ ایک لمبا تڑنگا آدمی ان کی طرف گھبراہٹ کے عالم میں چلا آ رہا تھا۔ اس نے

آتے ہی کہا۔

"میں اس ہوٹل کا مالک ہوں، میرا نام جیری کوپر ہے، یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

ہوٹل کا مالک انگریز تھا، لیکن اردو بہت صاف بول رہا تھا، شاید اسے اس ملک میں رہتے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔

"آپ دیکھ ہی سکتے ہیں، ہم کیا کر رہے ہیں۔" فاروق نے پروفیسر ڈبلنگ اور اس کے سامان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور مزے کی بات یہ کہ باقی دو کمروں میں دو سوٹ کیس شراب کی بوتلوں کے بھرے پڑے ہیں، کیا آپ اس سے اپنے گاہکوں کے لیے شراب خریدتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ن...... نہیں تو؟" اس نے ہکلا کر کہا۔

"اچھا تو پولیس کو فون کیجئے، میں اس شخص کو گرفتار دیکھنا چاہتا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

"پولیس والے انہیں گرفتار نہیں کریں گے۔" جیری کوپر نے کہا۔

"کیا اس شخص کی وجہ سے آپ کا نقصان نہیں ہوتا؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"نقصان..... کیا کیا جائے، ایسے نقصان تو برداشت کرنے ہی پڑتے ہیں۔" اس نے بے چارگی سے کہا۔

"لیکن آج کے بعد یہ آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اگر آپ فون نہیں کر سکتے تو مجھے فون کی طرف لے چلیے۔" انہوں نے کہا

"آیئے۔" وہ بولا۔ انسپکٹر جمشید نے فون پر صرف اتنا کہا کہ ہوٹل آبشار کے دو کمروں سے شراب کی بوتلیں پکڑی گئی ہیں، فوراً آیئے۔

صرف نو منٹ بعد ایس پی، پولیس کی بھاری تعداد کیساتھ وہاں آ دھمکا، آتے ہی اس نے چلاّ کر پوچھا۔

"کہاں ہیں شراب کی بوتلیں اور کس کی ہیں۔"

پھر اس کی نظر فرش پر بے ہوش پڑے پروفیسر ڈبلنگ پر پڑی اور اس کا منہ کھل گیا۔ آنکھیں باہر کو اُبل پڑیں۔

ڈرپروف

ایس پی ایک ڈراؤنی سی صورت کا آدمی تھا۔ ہاتھ پیر بہت مضبوط لگتے تھے۔ اسے اپنی حالت پر قابو پانے میں کافی وقت لگا وہ تیزی سے پروفیسر ڈبلنگ پر جھک گیا اور بولا۔

"پروفیسر صاحب! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔" پروفیسر نے کوئی جواب نہ دیا، یا تو وہ بے ہوش تھا یا جان بوجھ کر بے ہوش بن گیا تھا۔

"میں بتاتا ہوں، اس نے ہمارے تینوں کمروں پر قبضہ کر لیا تھا، ہم نے کمرے خالی کرنے کے لیے کہا تو یہ صاحب موت کی دھمکی دینے لگے۔ آخر مجھے ان کا یہ حال کرنا پڑا۔ مزے کی بات یہ کہ انہوں نے دوسرے دو کمروں میں شراب کی بوتلوں سے بھرے دو سوٹ کیس رکھے ہوئے ہیں۔ اس طرح یہ مجرم بن گئے ہیں، آپ انہیں گرفتار کر لیں، ہمارے بیانات لے لیں اور انہیں حوالات کی سیر کرا دیں۔" وہ کہتے چلے گئے۔

"خاموش! آپ بہت بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں، جب

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

تک یہ ہوش میں نہیں آ جاتے، اور میں ان کا بیان نہیں لے لیتا
کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے، تو لائیے انہیں ہوش میں، ہم تو اپنے کمروں
میں جاتے ہیں۔"

"کیا یہ کمرے آپ کے نام پر بُک ہیں۔"

"ہاں! ہم ایک ہفتہ پہلے بکنگ کرا چکے ہیں، اور کرایہ
بھی ادا کر چکے ہیں۔"

"بہت خوب! آپ کون سے شہر سے آئے ہیں۔" اس نے پوچھا

"ہم دارالحکومت سے آئے ہیں۔"

"آپ لوگ کمروں میں رہ سکتے ہیں، لیکن قصبے سے باہر جانے
کی کوشش ہرگز نہیں کریں گے۔" اس نے نئی سنائی۔

"وہ کیوں، کیا ہم نے کوئی جرم کیا ہے؟" خان رحمان تنک
کر بولے۔

"آپ لوگوں نے پروفیسر صاحب کو مارا پیٹا ہے، یہ آپ کے
خلاف کیس درج کرانا چاہیں گے۔"

"بہت اچھا! ہم ابھی قصبے سے باہر نہیں جائیں گے، پندرہ
دن کی سیر کا پروگرام بنا کر نکلے ہیں۔ جانے سے پہلے آپ
سے اجازت ضرور لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

ایس پی پروفیسر پر جھک گیا اور وہ کمرے میں داخل ہو

گئے۔ انسپکٹر جمشید نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ درمیانی دیوار
میں بھی ایک دروازہ تھا جو کمرہ نمبر ۱۱۲ میں کھلتا تھا، انسپکٹر جمشید
نے کچھ سوچا اور پھر درمیانی دروازے کو کھول کر اس میں
گھس گئے۔

جب وہ واپس آئے تو ان کے ہاتھ میں شراب کی ایک
بوتل تھی۔ بوتل کو میز پر رکھتے ہوئے انہوں نے اپنے کندھے
سے کیمرہ بھی اتار کر رکھ دیا۔

"آپ اس بوتل کا کیا کریں گے۔"

"چھوڑو اس بوتل کو اور پروفیسر ڈبلنگ کو، ایس پی نے
اگر اسے بچانے اور ہمیں الجھانے کی کوشش کی تو خود ہی بھگتے
گا، میں تو اس وقت کچھ اور ہی سوچ رہا ہوں۔" ان کا لہجہ
پُراسرار تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو، جلدی بتاؤ۔" خان رحمان نے کہا۔

"پروفیسر ڈبلنگ نے کسی موت کی حویلی کا ذکر کیا تھا، یہ
کیا بات ہوئی۔"

"چل پڑا چکر!" بیگم جمشید نے منہ بنایا۔ وہ اور شہناز بیگم
سامان کو ترتیب سے لگانے میں مصروف ہو چکی تھیں، فرزانہ
شائستہ اور ناز بھی ان کا ہاتھ بٹانے لگیں۔

"ہاں! اس نے کہا تھا، مرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو جا کر

موت کی حویلی میں ٹھہرو، آخر یہ موت کی حویلی کہاں ہے؟ کیا اِ
قصبے میں!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اگر ہو بھی تو ہمیں کیا، اب تو ہمیں کمرے مل گئے ہیں
پروفیسر داؤد بولے۔

"سوال تو یہ ہے کہ اس حویلی کو موت کی حویلی کیوں کہا
جاتا ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

"اس سوال کا جواب قصبہ دل دار کا کوئی باشندہ ہی دے
سکتا ہے، میں ابھی بیرے کو بلاتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ا
بیرے کو بلانے کے لیے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ ایک منٹ
بعد ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ محمود نے اٹھ کر دروا
کھولا تو بیرا کھڑا تھا۔

"اسے اندر لے آؤ۔"

دروازہ کھلنے پر انہوں نے باہر کا منظر دیکھا، گوشت کے
پہاڑ کو اٹھوایا جا چکا تھا، ایس پی اپنے ماتحتوں کے سا
جا چکا تھا، البتہ کچھ لوگ ابھی تک برآمدے میں کھڑے
کر رہے تھے۔

"اس قصبے میں کوئی موت کی حویلی بھی ہے؟" انسپکٹر جمشید نے بیرے
اندر آنے پر کہا۔

"جی ہاں، ہے۔" اس نے بغیر کسی حیرت کے کہا۔

"اسے موت کی حویلی کیوں کہا جاتا ہے؟" خان رحمان نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ آج تک اس میں داخل ہونے والا کوئی شخص زندہ
واپس نہیں نکلا۔" اس نے بتایا۔

"کیا مطلب! یعنی جو بھی حویلی کے اندر گیا۔ مر کر باہر نکلا۔"
انسپکٹر جمشید چونکے۔

"جی نہیں! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس نے کہا۔

"تو پھر! تمہارا کیا مطلب تھا، بتاؤ نا۔" انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

"حویلی کے اندر جو بھی گیا، واپس نہیں آیا، اس کا پھر کوئی پتا نہ چلا۔"

"اوہ!" ان سب کے منہ سے نکلا۔

"اور ایسا کب سے ہے، آخر یہ حویلی کب سے موت کی حویلی
ہے؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"اس سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے، مجھے یہاں رہتے ہوئے
صرف دس سال ہوئے ہیں، دس سال پہلے بھی یہ حویلی موت
کی حویلی کے نام سے مشہور تھی اور آج بھی، لیکن اس سے پہلے
کب سے ہے، یہ میں نہیں جانتا۔" اس نے بتایا۔

"ہوں! آخر جن لوگوں کا کوئی عزیز حویلی کے اندر جا کر واپس
نہ آیا ہو گا، ان میں سے بھی تو کسی نے اندر جانے کی کوشش
کی ہو گی؟" پروفیسر داؤد کچھ سوچ کر بولے۔

"جی ہاں! لیکن جو بھی گیا، واپس نہیں آیا، اس لیے آج....

تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ حویلی کے اندر جانے والوں کے ساتھ کیا واقعہ پیش آتا ہے۔"

"اوہ! پھر تو ہمیں حویلی کے اندر جا کر دیکھنا ہی پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"جی! آپ نے کیا فرمایا، آپ حویلی کے اندر جائیں گے۔" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! اس لیے کہ یہ کمرے کچھ خاص آرام دہ نہیں ہیں۔ موت کی حویلی کے ضرور شاندار ہوں گے، آخر کو وہ حویلی ہے، چاہے موت کی ہے۔" فاروق نے مسکرا کر کہا۔

"میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔" بیرا بولا۔

"تو پھر کس کا مشورہ دو گے۔" فاروق بولا۔

"فاروق! کبھی زبان کو آرام بھی کرنے دیا کرو۔" انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

"تھکے گی تو خود ہی آرام کرنا شروع کر دے گی۔" اس نے جواب دیا۔

"اگر اب بولے تو پھر تمہاری زبان کو ہی نہیں، تمہیں بھی تھکنا پڑے گا۔"

فاروق نے دم سادھ لیا، لیکن انداز ایسا تھا کہ سب کو مسکرانا پڑ گیا۔ انسپکٹر جمشید نے بیرے سے پوچھا۔

"ہمیں اس حویلی کے بارے میں مکمل ترین معلومات کہاں سے مل سکتی ہیں۔"

"محمد اشرف بہلول سے۔" بیرے نے جواب دیا۔

"محمد اشرف بہلول..... یہ کون صاحب ہیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت تھی۔

"حویلی کا مالک! حویلی اسے ورثے میں ملی تھی۔ پتا نہیں اس کے باپ دادا کو کیسے ملی تھی۔"

"بہت خوب! میں اسی وقت محمد اشرف بہلول سے ملنے جاؤں گا، اس کا پتا کیا ہے۔"

○

اس چھوٹے سے قصبے میں اتنا شاندار بنگلا دیکھ کر انسپکٹر جمشید کی آنکھیں کھلی رہ گئیں، وہ صرف محمود، فاروق اور فرزانہ کو ساتھ لائے تھے، باقی لوگوں کو ہوٹل میں ہی چھوڑ آئے تھے، دروازے پر لگے گھنٹی کے بٹن کو دبانے پر ایک سوکھے سے چہرے والا ملازم باہر نکلا اور پھر انہیں ڈرائنگ روم میں لے گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک چھوٹے قد کا آدمی اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"میرا ہی نام محمد اشرف بہلول ہے۔ آپ مجھ سے ہی ملنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں! آپ کی حویلی کے بارے میں بات کرنی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ! میں سمجھا تھا، کاروباری سلسلے میں آئے ہوں گے۔" اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"آپ کا کیا کاروبار ہے۔"

"میرا کھالوں کا کاروبار ہے۔ خیر آپ فرمائیے، حویلی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"ہم وہ کرائے پر لینا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں سُن چکے ہیں کہ وہ موت کی حویلی ہے۔" انہوں نے کہا۔

"اور اس کے باوجود آپ اسے کرائے پر لینا چاہتے ہیں۔"

"ہاں! لیکن صرف ایک ماہ کے لیے، بتائیے، آپ کتنا کرایہ لیں گے۔"

"مجھے افسوس ہے، میں وہ حویلی آپ کو کرائے پر نہیں دے سکوں گا، اس لیے کہ تھانے دار صاحب نے مجھے سختی سے روک دیا ہے۔"

"تھانیدار..... آپ کا مطلب ایس پی صاحب سے تو نہیں" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی نہیں! ایس پی تو پورے قصبے کے افسر ہیں، ہمارے علاقے کے انچارج تھانیدار ہیں، ان کا نام سرفراز خان ہے۔"

"حویلی کو موت کی حویلی کب قرار دیا گیا۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"آج سے پندرہ سال پہلے، جب میری بیوی اور بڑا لڑکا ایک رات چیختے چلاتے حویلی سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کا خیال تھا، کہ حویلی میں کوئی جن آ گھسا ہے، اس رات میں قصبے سے باہر گیا ہوا تھا، دوسری رات میں نے حویلی میں گزارنے کا پروگرام بنایا، میرا خیال تھا کہ میری بیوی اور لڑکے کو وہم ہو گیا ہے لیکن پھر میں بھی وہاں نہ ٹھہر سکا۔ میں نے ایک مکان کرائے پر لے لیا اور یہ بنگلا بنوانا شروع کر دیا۔ مکمل ہونے پر اس میں اُٹھ آیا۔ ایک شخص نے حویلی کرائے پر لینے کی کوشش کی، میں نے اسے سمجھایا، لیکن وہ نہ مانا۔ میں نے آخر حویلی اسے کرائے پر دے دی، دوسرے دن اس کی لاش حویلی کے باہر ملی۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کی موت خوف کی وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ ایک شکاری تھا۔ اس کے بعد ایک تاجر نے حویلی کرائے پر لی۔ منع کرنے کے باوجود وہ حویلی میں منتقل ہو گیا، دوسرے دن وہ چیختا چلاتا باہر نکلا اور لوگوں نے اسے پاگل کی حیثیت سے ہسپتال میں داخل کرا دیا۔ آہستہ آہستہ لوگ اس واقعے کو بھول گئے۔ ایک دن ایک اور شخص حویلی کرائے پر لینے آیا۔ میں نے انکار کر دیا، وہ ایک ریٹائرڈ فوجی تھا، اس نے میرا خوب مذاق اڑایا۔ آخر اسے حویلی کرائے پر دینی ہی پڑی۔ لیکن دوسرے دن اس کی بھی لاش ہی ملی۔ جسم پر زخم کا کوئی نشان نہ

تھا۔ گلا گھونٹنے کے آثار بھی نہیں تھے۔

اب تو تھانے دار مجھ پر بہت برسا کہ میں کیوں لوگوں کو حویلی کرائے پر دیتا ہوں۔ اس روز کے بعد میں نے کسی کو حویلی نہیں دی۔ کوئی بہت ہی تنگ کرتا ہے تو میں اسے تھانے دار کے پاس بھیج دیتا ہوں، تاکہ وہ جاکر اس سے اجازت لے آئے۔ ظاہر ہے، وہ کیوں اجازت دینے لگا، اس طرح میری جان اس مصیبت سے چھوٹ گئی ہے۔ اس طرح حویلی موت کی حویلی مشہور ہو گئی رات کے وقت اس کے پاس سے گزرنے والوں نے کچھ خوفناک قسم کی آوازیں سنی ہیں اور مجھے آ آکر بتایا ہے، لیکن میں نے ان آوازوں کی تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ حوصلہ ہی نہیں پڑا۔

اب ایک عرصے بعد آپ آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ حویلی آپ کو کرائے پر دے دوں، لہذا یہ نہیں ہو سکتا، میں نہیں چاہتا، آپ میں سے کچھ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں، پاگل ہو جائیں اور اگر آپ رہ نہیں سکتے تو آپ بھی تھانے دار صاحب کے پاس چلے جائیے، ویسے تو میرا خیال ہے، یہ تمام واقعات سننے کے بعد آپ نے حویلی میں جانے کا ارادہ بدل ہی دیا ہو گا۔"

"یہی تو مصیبت ہے، یہ واقعات سن کر تو ہمارا ارادہ اور بھی مضبوط ہو گیا ہے۔" محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر کہا۔

"بات یہ ہے جناب بہلول صاحب! ڈر جس چڑیا کا نام ہے اور خوف جس چوپائے کو کہتے ہیں، وہ ہمارے پاس پھٹک بھی نہیں سکتے..... یا یوں کہہ لیں کہ ہم ڈر پروف ہیں، چنانچہ ہم حویلی میں ضرور جاکر رہیں گے۔ ذرا دیکھیں تو سہی، اس میں ہے کیا، لوگ کیوں مر جاتے ہیں یا بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"آخر آپ لوگ کیوں اپنی زندگیاں خطرے میں ڈالنے پر تلے ہیں۔" اس نے اس مرتبہ جھنجلا کر کہا۔

"یہ ہمارا شوق ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"خیر! کم از کم میں تو آپ کو اجازت دے نہیں سکتا، آپ تھانیدار سے مل لیں۔"

"بہت اچھا! اگر انہوں نے اجازت دے دی تو آپ ہمیں حویلی کی چابی دے دیں گے۔" انہوں نے پوچھا۔

"اگر آپ ضد پر قائم رہے تو میں کر ہی کیا سکتا ہوں۔"

"تو ٹھیک ہے، ہم ابھی اس کے پاس ہو کر آتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"مجھے یقین ہے، وہ آپ کو ہرگز ہرگز اجازت نہیں دے گا۔"

تھانے تک پہنچنے میں انہیں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ سرفراز خان بڑی بڑی مونچھوں والا موٹا تازہ آدمی تھا، چہرے سے

ایمانداری ٹپکتی تھی۔ اس نے انہیں گھور کر دیکھا اور پھر بولا۔

"جی فرمایئے! میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"حویلی کی چابی دلوا دیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" اس نے چلا کر کہا۔

"ہم وہ کرائے پر لینا چاہتے ہیں۔"

"اور آپ حویلی کے بارے میں سب کچھ سن چکے ہیں؟" سر

خان نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

"بالکل سن چکے ہیں۔ محمد اشرف بہلول سے بھی مل آئے

بس آپ اسے چابی دینے کا حکم لکھ دیں۔"

"میں ایسا کوئی حکم لکھ کر دینے کو تیار نہیں۔" اس نے

کر کہا۔

"آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ میں اب کسی ایک انسانی جان کو بھی خطرے

ڈالنے کے لیے تیار نہیں، آپ تو پھر چار ہیں۔"

"ہم اپنے کچھ ساتھی ہوٹل آبشار میں بھی چھوڑ آئے ہیں۔"

نے مسکرا کر کہا۔

"یعنی آپ سب اپنی زندگیوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ

ہیں۔ میں اپنے علاقے میں کوئی واردات پسند نہیں کرتا، آپ

اور جگہ جا کر موت کو تلاش کیجیے۔" اس نے منہ بنا لیا۔

"دیکھیے جناب! ہمیں تو آپ کو چابی دلوانی ہی ہو گی۔"

"ہرگز نہیں! یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

"اگر آپ کو ایس پی صاحب ہدایت دیں تو؟" "تب بھی نہیں۔"

انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"اس کا تو میرے سامنے نام بھی نہ لیں..... اس نے اس

قصبے میں اودھم مچا رکھا ہے، اپنے سسر کو من مانی کرنے

کی اجازت دے رکھی ہے۔ میرا بس نہیں چلتا.....؟" وہ کہتے

کہتے رک گیا۔

"آخر وہ آپ کے افسر ہیں، کچھ تو خیال کریں۔" محمود بول پڑا۔

"ہونہہ افسر..... رشوت خور، جسے عوام سے کوئی سروکار نہیں۔"

اس نے کہا۔

"بہت خوب! آپ اچھے آدمی لگتے ہیں، اب آپ مہربانی فرما

کر چٹ لکھ دیں، محمد اشرف بہلول کے نام۔"

"خوشامد سے بھی کام نہیں چلے گا۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے

میں کسی کو حویلی میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

"کیا آپ یہ نہیں جاننا چاہتے کہ اس حویلی میں چکر کیا چل رہا

ہے، لوگ بھاگ کر کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔"

"کیا ضرورت ہے، نہ کوئی اس کے اندر داخل ہو گا، نہ غائب

ہو گا۔" سرفراز خان بولا۔

"خیر! ہمیں تو آپ کو اجازت دینا ہی ہو گی۔" انسپکٹر جمشید نے
عجیب سے لہجے میں کہا اور سرفراز خاں چونک اٹھا۔
"جی ہاں! یہ ملاحظہ فرمائیں۔" انسپکٹر جمشید نے یہ کہہ کر اپنا
کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا، کیونکہ انہوں نے سوچا تھا
اس کے بغیر کام نہیں چلے گا۔
"آ..... آپ....." سرفراز خاں ہکلایا، آنکھیں پھیلتی
چلی گئیں۔
"ہاں! یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔ ہم اس وقت بہت ہی
ہلکے قسم کے میک اَپ میں ہیں، جب بھی کسی دوسرے شہر
یا قصبے میں جاتے ہیں، تھوڑی بہت تبدیلی شکل صورت میں
کر لیتے ہیں، ورنہ لوگ گھورنے لگ جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ
آپ ہمیں پہچان نہ سکے اور اُمید ہے کہ اب آپ کو کوئی اعتراض
نہ ہو گا....."
"میری ایسی جرأت کہاں، لیکن اس کے باوجود میں آپ کو
یہی مشورہ دوں گا کہ اس میں نہ جائیں۔" سرفراز خاں نے کہا۔
"اب ہم رُک نہیں سکتے، جب تک اس راز سے پردہ
اٹھا دیں اور پھر ان لوگوں کو سزا بھی تو ملنی چاہیے، جنہوں
نے کئی آدمیوں کو غائب کر دیا ہے، کچھ خوش نصیب
اگر بچ بھی نکلے ہوں گے تو پاگل ہو گئے ہوں گے

چیختے چلاتے لوگ جو باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے یہ کیوں
نہ بتا سکے کہ ان پر کیا بیتی۔" وہ کہتا چلا گیا۔
"غائب ہونے والوں پر نہ جانے کیا بیتی ہو گی۔" تھانیدار
نے سرد آہ بھری۔
"یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے کو ختم
کرنا بھی، دیکھیے نا سرفراز صاحب، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ
وہ اِدھر اُدھر سے لوگوں کو پکڑ کر حویلی میں لے جاتے
ہوں، ظاہر ہے حویلی میں تو لوگ ڈر کی وجہ سے داخل
ہوتے نہیں۔"
"خدا جانے کیا چکر ہے، چلیے میں خود آپ کے ساتھ
محمد اشرف بہلول کے پاس چلتا ہوں۔"
"اس کی کیا ضرورت ہے، آپ کو تکلیف ہو گی، بس آپ
چٹ لکھ دیں۔"
"نہیں! وہ ایسے چابی نہیں دے گا۔"
ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر وہ بہلول کے پاس پہنچے، اس نے
سرفراز خان کو ان کے ساتھ دیکھ کر حیرت سے پلکیں جھپکائیں
اور پھر بولا۔
"میں نے پہلے ہی کہا تھا، تھانے دار صاحب ہرگز اس
کی اجازت نہیں دیں گے۔"

"یہ بات نہیں بہلول صاحب! میں تو آپ سے صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ ان لوگوں کو چابی دے دیں!"

"کیا!!!" اشرف بہلول بلند آواز میں چلایا۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

انسپکٹر جمشید کا فیصلہ

انسپکٹر جمشید ایس پی کے دفتر میں داخل ہوئے۔ محمد اشرف بہلول کے ہاں سے انہوں نے محمود، فاروق اور فرزانہ کو ہوٹل بھیج دیا تھا اور خود ادھر چلے آئے تھے۔ ایس پی انہیں دیکھ کر چونک اُٹھا۔

"میں یہ دیکھنے آیا ہوں کہ آپ نے پروفیسر ڈبنگ کے سلسلے میں کیا کیا؟"

"ہوش میں آنے کے بعد اس نے آپ کے لگائے ہوئے الزام کی صحت سے انکار کر دیا ہے اور الٹا آپ پر مارپیٹ کا الزام لگایا ہے، اس نے شکایت درج کرا دی ہے اور عدالت سے بھی رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اب آپ دیکھ لیں، آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"اس نے انکار کس طرح کر دیا، کیا اس کے سوٹ کیسوں سے شراب کی بوتلیں برآمد نہیں ہوئیں۔" انسپکٹر جمشید غصے میں آ گئے۔

"جی نہیں! سوٹ کیس خالی تھے۔" ایس پی بولا۔

"کیا کہا! سوٹ کیس خالی تھے، یعنی جب آپ نے دونوں کمروں کی تلاشی لی تو سوٹ کیس آپ کو خالی ملے؟"

"جی ہاں! اور اس طرح پروفیسر ڈبلنگ آپ پر کیس کرنے میں حق بجانب ہے۔"

"اور اس نے جو ناجائز قبضہ ہمارے کمروں پر کر لیا تھا، یہ کوئی جرم نہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کی آپ کو ہوٹل کی انتظامیہ سے شکایت کرنی چاہیے تھی نا کہ مار پیٹ شروع کر دی۔"

"ہوٹل کی انتظامیہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ پروفیسر ڈبلنگ کو ہمارے کمروں سے نکالنا ان کے بس سے باہر ہے۔" انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں بولے۔

"تو پھر آپ کسی اور ہوٹل میں کمروں کا بندوبست کر لیتے۔"

"لیکن کیوں؟ ہم کرایہ ادا کر چکے ہیں، کمرے ہمارے نام ایک ہفتہ پہلے ریزرو کر دیے گئے تھے، پھر ہم کیوں کہیں اور جا کر ٹھہر جاتے۔" انہوں نے کہا۔

"تب آپ میرے پاس آجاتے اور مجھے ساری بات بتا دیتے۔"

"آپ نے اب ہی اس کا کیا کر لیا ہے، شاید اسے حوالات میں بند بھی نہیں کیا۔"

"میں اسے کس طرح بند کر سکتا تھا، اس کے پاس سے شراب

کی بوتلیں برآمد نہیں ہوئیں اور وہ ہمیں بے ہوش حالت میں ملا ہے، آپ نے اسے زدوکوب کیا ہے اور زدوکوب کرنے کا منظر بے شمار لوگوں نے دیکھا ہے۔" ایس پی بولا۔

"تب پھر آپ میرے خلاف کیس دائر کر دیں۔ میں ڈبلنگ پر شراب فروخت کرنے کا جرم ثابت کر دوں گا۔" انسپکٹر جمشید لاپروائی سے بولے۔

"کیسے کر دیں گے؟" ایس پی نے انہیں گھورا۔

"یہ میں جانوں! میرا کام.... میں جانتا ہوں، پروفیسر ڈبلنگ آپ کا سسر ہے، لیکن قانون سب کے لیے یکساں ہے، اگر آپ اس کے داماد ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ اس قصبے میں دندناتا پھرے، لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالے، میں ایسے لوگوں کو کبھی معاف نہیں کرتا، اب وہ میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا، میں عدالت سے اسے سزا دلا کر رہوں گا۔"

"بہت خوب! تو پھر ہماری ملاقات اب عدالت میں ہی ہو گی۔ میں عدالت سے تمہارے وارنٹ گرفتاری صبح سویرے ہی حاصل کر لوں گا۔"

"بہت اچھا! ذرا مضبوط قسم کے وارنٹ لے کر آئیے گا۔" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر چلتے چلتے رکے اور بولے۔

"اگر آپ پروفیسر ڈبلنگ کے ساتھ شراب کے کاروبار میں

شریک نہیں ہیں تو اس کی طرف داری سے باز آ جائیں، ورنہ آپ
بھی برابر کے مجرم ٹھہرائے جائیں گے۔"

"کیا آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔" اس نے خوفناک لہجے
میں کہا۔

"میں صرف نصیحت کر رہا ہوں۔"

"یہ کہہ کر وہ ایک جھٹکے سے مُڑے اور دفتر سے باہر نکل
گئے۔ ان کے جاتے ہی بغلی دروازہ کھلا اور اندر سے پروفیسر
ڈبلنگ برآمد ہوا۔

"تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے فرید طاہر!"
اس نے کہا۔

"بہت چالاک نظر آتا ہے، کہیں عدالت میں معاملہ الٹ نہ
پڑ جائے۔" ایس پی فکر مند سا تھا۔

"اُلٹ کیسے پڑے گا، جب تم نے میرے سوٹ کیسوں سے
کوئی شراب کی بوتل پکڑی ہی نہیں۔"

"لیکن اس نے کہا ہے، وہ یہ بات عدالت میں ثابت کر
سکتا ہے۔" وہ بولا۔

"تم فکر نہ کرو، اس پر مار پیٹ کا کیس بنا دو۔ آگے میں
دیکھ لوں گا۔"

"اچھی بات ہے..... رات کا کیا پروگرام ہے؟"

"رات کو شراب کا دور خوب چلے گا۔" پروفیسر ڈبلنگ نے
خوش ہو کر کہا۔

"نہ جانے کیوں! مجھے رہ رہ کر اس شخص کا خیال آ رہا ہے۔"

"چھوڑو! تمہیں تو یونہی وہم ہو گیا ہے.... وہ خالی پیلی دھمکیاں
دے گیا ہے۔" ڈبلنگ نے کہا اور وہ ہنسنے لگا۔ ہنستے وقت اس
کا پورا بدن ہلنے لگا اور یوں لگا جیسے گوشت کے پہاڑ پر زلزلہ
طاری ہو گیا ہو۔

○

"میں نے ایک فیصلہ کیا ہے اور اُمید ہے کہ میرا فیصلہ سب
کو بہت پسند آئے گا۔" انسپکٹر جمشید نے کمرے کے اندر داخل
ہوتے ہوئے کہا۔ یہاں سب موجود تھے، پروفیسر داؤد اور خان
رحمان شطرنج کی بساط پر اس طرح جمے ہوئے تھے جیسے اٹھائے
نہ اٹھیں گے، محمود، فاروق، فرزانہ اور حامد کیرم پر جھٹے ہوئے
تھے، شائستہ، سرور اور نازنے لڈو سنبھال لی تھی، رہ گئیں بیگم
جمشید اور شہناز بیگم تو وہ سوئٹر بنتے ہوئے گھریلو باتوں میں مصروف
تھیں، سوئٹر اس لیے بُنے جا رہے تھے کہ سردیوں کی آمد آمد تھی
اور ابھی انہیں نہ جانے کتنے سوئٹر تیار کرنے تھے۔ انسپکٹر جمشید
کی بات سن کر سب کے ہاتھ رُک گئے، منہ ان کی طرف

اُٹھ گئے۔

"تمہارا فیصلہ اور ہمیں پسند نہ آئے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔" رحمان خوش ہو کر بولے۔

"کیوں کہ ہم جانتے ہیں، تمہارا فیصلہ نہایت عقل مندانہ ہے۔" پروفیسر داؤد نے ٹکڑا لگایا۔

"ہم دل و جان سے آپ کے فیصلے کو قبول کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"بلکہ سر کے بل قبول کریں گے۔" فاروق نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"دھت تیرے کی۔" محمود نے جھلا کر ران پر ہاتھ مارا۔ "مار... ستیاناس اردو کا۔"

"بھئی اگر سر کے بل چلا جا سکتا ہے تو قبول کیوں نہیں کیا جا سکتا۔" فاروق نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" فرزانہ بول پڑی۔

"کسی میں کوئی حرج نہیں، ابا جان کا فیصلہ ماننے میں یا..." محمود کہتے کہتے رک گیا، کیوں کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یا کے بعد کیا کہے۔

"نہیں، میں نے اس وقت فاروق کی بات کا جواب دیا ہے۔

سر کے بل قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" وہ مسکرائی۔

"تو پھر تم بھی بڑے شوق سے قبول کر لو۔ سر کے بل۔" محمود جھلا اُٹھا۔

"میں نے اپنے لیے نہیں، فاروق کے لیے کہا ہے۔"

"چھوڑو سر اور بل کی بحث کو۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا، پھر بولے۔

"ہاں تو بیگم اور بھائی! آپ کچھ نہیں بولیں۔"

"ہمیں بھی آپ کا فیصلہ منظور ہے۔"

"بہت خوب! بچو تم کیا کہتے ہو۔" انہوں نے حامد وغیرہ کی طرف دیکھا۔

"ہمیں بھی منظور ہے۔" انہوں نے ایک ساتھ کہا، لیکن ان میں فرزانہ کی آواز شامل نہیں تھی۔

"فرزانہ تم کچھ نہیں بولیں۔" انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ فیصلہ کیا ہے، کچھ نہیں کہہ سکتی۔" فرزانہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا اور سب چونک اُٹھے۔

"کیا تم نے اپنے انکل رحمان اور پروفیسر انکل کے جملے نہیں سنے۔"

"جی ہاں! سنے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا فیصلہ نہایت عقل مندانہ ہوتا ہے لیکن کم از کم معلوم تو ہو، فیصلہ

گیا ہے۔

"فرزانہ تم بہت تیز ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اس کا مطلب ہے باقی سب کُند ہیں۔" فاروق بول اُٹھا۔

"سنو! میں نے حویلی کے بارے میں ساری معلومات حاصل کر لی ہیں، اس کے اندر جانا واقعی موت کو دعوت دینا ہے، حویلی اس وقت تک کئی آدمیوں کی جان لے چکی ہے اور اگر کوئی واپس بھی آیا ہے تو پاگل ہو کر، بہت دنوں کے علاج کے بعد ہی درست ہوا، نہ جانے اس حویلی میں کیا بات ہے، کہیں واقعی اس میں جنّ بھوت تو نہیں رہتے، ہم کم از کم جنّوں کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے، کیوں کہ ان کا وجود قرآن کی رُو سے ثابت ہے، اس لیے عین ممکن ہے کہ حویلی میں جنّ آ بسے ہوں، اس صورت میں ہم ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، کیوں کہ ہم کوئی پیر فقیر نہیں ہیں! کہنے کا مطلب یہ کہ حویلی واقعی موت کی حویلی ہے اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا۔ ان حالات میں مَیں نے وہی فیصلہ کیا، جو مجھے کرنا چاہیئے تھا۔" یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

"ٹھیک ہے، میں سمجھ گیا، تم نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" خان رحمان خوش ہو کر بولے۔

"کیا سمجھ گئے، کچھ ہمیں بھی بتاؤ۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"یہی کہ اب ہم لوگ حویلی میں جا کر نہیں ٹھہریں گے، پندرہ دن تک یہیں اسی ہوٹل میں قیام کریں گے، گھومیں گے، پھریں گے، سیر کریں گے، کھائیں گے اور پئیں گے۔" خان رحمان کہتے چلے گئے۔

"اور اللہ کی عبادت کریں گے، دوسروں کے کام آئیں گے، انکل یہ بھی تو ضروری کام ہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں! یہ میرے بتائے ہوئے کاموں سے زیادہ ضروری کام ہیں۔ نماز روزے سے ضروری بھلا کیا ہو سکتا ہے۔" خان رحمان جھینپ کر بولے۔

"خان رحمان تم بالکل ٹھیک سمجھے، تم لوگ واقعی حویلی میں نہیں جاؤ گے، حویلی میں تو صرف اور صرف میں جاؤں گا، یہی میرا فیصلہ ہے۔"

"کیا!!!" وہ سب ایک ساتھ چلّا اُٹھے۔

اتنی بہت سی آوازوں سے کمرے میں گونج کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ان کے چہرے حیرت اور بوکھلاہٹ کا ملا جلا تاثر پیدا کرنے لگے۔

حویلی میں داخلہ

چند لمحے خاموشی میں گزر گئے۔ پھر فرزانہ کی آواز سب کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اسی لیے میں نے سنے بغیر فیصلہ قبول نہیں کیا تھا۔"

"یار جمشید! تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے۔" خان رحمان نے جھنجی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور ہم تمہارے فیصلے کو نامنظور قرار دیتے ہیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ابھی ابھی آپ نے جو الفاظ کہے تھے، ذرا وہ یاد کر لیجئے، خان رحمان تم نے کہا تھا، تمہارا فیصلہ اور ہمیں پسند نہ آئے
پروفیسر صاحب! آپ نے کہا تھا، تمہارا فیصلہ نہایت عقل مندانہ ہوتا ہے۔"

"بے شک ہم نے یہ الفاظ ادا کیے تھے، لیکن اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم اندر ہی اندر چال چل رہے ہو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اور یہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ تم اکیلے اکیلے حویلی میں چلے جاؤ، ہم تمہارا ساتھ کسی حالت میں نہیں چھوڑیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"بھئی کہہ جو دیا، وہاں خطرہ ہے، موت کا خطرہ۔"

"تو کیا ہوا، موت تو ایک دن آ کر رہے گی۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہو! یہ تو سوچو! ہمارے ساتھ بچے بھی ہیں۔" انسپکٹر جمشید اُٹھے۔

"یہ سوچنے کی کیا ضرورت ہے، یہ بات تو ہمیں معلوم ہی ہے۔" خان رحمان نے شوخ لہجے میں کہا اور سب مُسکرا اُٹھے۔

"دیکھو، محمود، فاروق اور فرزانہ کی تو خیر کوئی بات نہیں، لیکن شائستہ، حامد، سرور اور ناز وہاں خود پر قابو نہ رکھ سکیں گے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے ہم بھی بوکھلا جائیں، خدا جانے وہاں کیا چکر چل رہا ہے، اس لیے یہی مناسب ہے کہ صرف میں وہاں جاؤں۔"

"یا تو وہاں سب جائیں گے، یا تم بھی نہیں جاؤ گے۔" خان رحمان نے اٹل فیصلہ سنایا۔

"بڑی مصیبت ہے، اچھا میں اپنے ساتھ محمود، فاروق اور

فرزانہ کو لے جاتا ہوں۔" انہوں نے تنگ آ کر کہا۔

"یہ بھی نہیں ہو سکتا، لوگ کیا کہیں گے، ہم نے اپنے دوست اور اس کے بچوں کو تنہا خطرے میں دھکیل دیا، ہم یہ طعنہ نہیں سن سکیں گے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اچھا تو پھر ہم چاروں کے ساتھ خان رحمان بھی چلے جائیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مجبور ہو کر کہا۔

"کیا تم مجھے بزدل سمجھتے ہو جو عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ کر جانا چاہتے ہو۔" پروفیسر داؤد بھنّا کر بولے۔

"نہیں! آپ نہ بزدل ہیں نہ کمزور، لیکن بوڑھے تو ہیں نا... ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی محاذ پہ روانہ ہوتے تھے عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو گھروں میں ہی چھوڑ جاتے ہیں۔"

"لیکن تم محاذ پہ نہیں، ایک حویلی میں جا رہے ہو۔" خان رحمان نے اعتراض کیا۔

"اس وقت حویلی بھی ایک محاذ ہے۔"

"تو پھر محاذ پہ ایک تجربہ کار فوجی کو کیوں ساتھ نہیں لے جاتے۔" خان رحمان کی کھری بات پر وہ پھر مسکرا دیے۔

"میں تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے تیار تو ہوں۔"

"لیکن بچے ہمارے بغیر یہاں کیسے رہ سکیں گے، وہ یہاں گھبرا جائیں گے۔" خان رحمان بولے۔

"انہیں یہاں گھبرانے کی کیا ضرورت!" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا خبر! رات کے وقت وہ گوشت کا پہاڑ پھر یہاں آ جائے اور انہیں کمروں سے نکال دے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"توبہ ہے۔ آپ سب تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے، بس ثابت ہوا، ہم میں سے کوئی بھی حویلی نہیں جائے گا۔" انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے انداز میں کہا۔

"یعنی تم نے وہاں جانے کا ارادہ ختم کر دیا۔" خان رحمان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اور کر ہی کیا سکتا ہوں۔" ان کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"حویلی میں جو ہو رہا ہے، کیا وہ جاری رہے گا۔" پروفیسر داؤد تیز آواز میں بولے۔

"میں کیا کر سکتا ہوں، آپ لوگ ہی میرا راستہ روک رہے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"ہم راستہ روک نہیں رہے، ساتھ دینے کی بات کر رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے، ابا جان! ہم سب کے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" فرزانہ نے اس جھگڑے کو ختم کرنے کی نیت سے کہا۔

"اور اگر حویلی واقعی آسیب زدہ ہوئی تو؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جو ہو گا سب کے ساتھ ہی ہو گا نا، دیکھا جائے گا۔"

بیگم نے پہلی مرتبہ کہا۔

"بالکل ٹھیک! میں بھی شہناز بہن کی ہم خیال ہوں۔"

"ہم خیال تو اس وقت آپ سب ہی ہیں، سوائے میرے، خیر چلے چلتے ہیں سب!"

انسپکٹر جمشید نے مری مری آواز میں کہا اور سب نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔

○

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد انہوں نے ضروری سامان ساتھ لیا اور ہوٹل سے باہر کی طرف چلے۔ انسپکٹر جمشید کاؤنٹر پر رکتے ہوئے بولے۔

"ہم رات موت کی حویلی میں گزارنے جا رہے ہیں۔ ہم نے اپنے کمروں کو تالے لگا دیے ہیں، اگر پروفیسر ڈبلنگ یا کوئی اور کمروں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے تو اسے بتا دینا کہ ہم صبح تک واپس آ جائیں گے اور اگر حویلی میں ٹھہرنا پڑ گیا تو دو چار دن بعد آ جائیں گے۔"

"بہت اچھا! لیکن آپ لوگ حویلی میں کیوں جا رہے ہیں؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"موت سے کشتی لڑنے۔" وہ مسکرائے اور کلرک انہیں گھورتا ہی

رہ گیا۔

وہ سب باہر نکل آئے۔ حویلی کا راستہ پہلے ہی پوچھ چکے تھے، قصبے سے باہر جنگل کے کنارے واقع تھی۔

"بہت جلد یہ خبر سارے قصبے میں مشہور ہو جائے گی کہ ہم لوگ حویلی میں ٹھہرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" خان رحمان بولا۔

"ہاں ایسی خبریں چھپی نہیں رہا کرتیں۔"

"سب سے پہلے تو حویلی کی صفائی کرنی ہو گی، نہ جانے کتنے مہینوں سے بند پڑی ہے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"اور چونکہ یہ کام عورتوں کا ہے، اس لیے آپ اور آنٹی کی مدد فرزانہ، شائستہ اور ناز کریں گی۔" فاروق نے کہا۔

"کام سے گھبرانے والے اے آسمان نہیں ہم۔" فرزانہ گنگنائی۔

"اچھا زمین صاحبہ!" فاروق نے جواب میں کہا

"شروع ہو چلے یہ تو، ابھی کم از کم حویلی تو آ لینے دو۔" محمود نے ناک چڑھائی۔

"تمہارا مطلب ہے، حویلی کے آنے پر باتیں کریں، اس وقت تمہیں ڈر لگے گا۔" فرزانہ کا انداز مذاق اڑانے کا تھا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں بھائی جان، حویلی کے جانے پر تو باتیں ہو نہیں سکیں گی۔" فاروق مسکرایا۔

"ٹھیک کی بات کرنا تو شاید تمہارے نصیب میں ہی نہیں۔" محمود

جل بھن کر بولا۔

"نصیب اپنا اپنا۔" شائستہ نے ٹکڑا لگایا اور سب مسکرا دیے۔

اب وہ قصبے سے نکل آئے تھے اور حویلی انہیں دور سے ہی نظر آنے لگی تھی۔ دور سے وہ ایک چھوٹا سا قلعہ دکھائی دے رہی تھی۔ دیواریں بہت اونچی تھیں۔ کچھ نزدیک پہنچنے پر دروازہ دکھائی دینے لگا۔ وہ بھی بہت بڑا اور ہولناک قسم کا تھا۔ دونوں دروازوں پر ایک ایک شیر بنا ہوا تھا۔ یہ شیر لکڑی پر کھودے گئے تھے..... انداز جھپٹ پڑنے کا تھا۔ شیروں کے نیچے ایک بڑا سا زنگ آلود تالا لٹک رہا تھا۔ دروازے پر جا بجا خون کے چھینٹے بھی دکھائی دیے جن کا رنگ اب سیاہ پڑ چکا تھا۔ غرض باہر سے بھی حویلی خوفناک منظر ہی پیش کر رہی تھی۔

"یوں لگتا ہے جیسے یہ شیر ابھی ہم پر ٹوٹ ہی تو پڑیں گے۔" سرور نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"تم تو ابھی سے ڈرنے لگے، اندر جا کر کیا کرو گے؟" حامد نے کہا۔

"اور نہ زیادہ ڈریں گے۔" فاروق بولا۔

"لکڑی پر بنے ہوئے شیر ہیں، ان سے ڈرنے کی کیا ضرورت۔" محمود بولا۔

"اور کیا! لوہے کے بنے ہوئے ہوتے تو ایک بات بھی تھی۔

پھر تم بے شک ڈر سکتے تھے۔ فاروق تڑ سے بولا۔

"یار کبھی تو خاموش رہا کرو۔" محمود جھلا اٹھا۔

"سب باتیں کر رہے ہیں تو پھر تمہیں میرے بولنے پر اعتراض کیوں ہے؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"اس لیے کہ تم ڈھنگ کی بات نہیں کرتے۔" محمود کی بجائے فرزانہ نے جواب دیا۔

"اب میں ہمیشہ ڈھنگ کی بات کیا کروں گا۔ لیکن یہ تو بتاؤ، ڈھنگ کی بات اور بے ڈھنگی بات میں فرق کیا ہے؟" فاروق نے پوچھا۔

"میرا دماغ نہ کھاؤ، کسی اور سے پوچھو۔" محمود نے جھنجلا کر کہا۔

"تمہیں یوں کہنا چاہیے تھا، میرا دماغ نہ کھاؤ، کسی اور کا کھاؤ۔"

"اب ہم تم سے اردو پڑھا کریں گے۔" فرزانہ نے سرد آہ بھری۔

"اس حویلی کے اندر.... نہیں میں یہاں تمہیں اردو نہیں پڑھا سکتا۔" فاروق نے انکار میں سر ہلایا۔

"میں سمجھا، یہاں تو تم بھوتوں کو اردو پڑھاؤ گے۔" محمود بولا۔

"ہاں! آخر انہیں ہم سے بات چیت کرنے کے لیے اردو

پڑھنے کی ضرورت تو پڑے گی، ورنہ ہمارے مذاکرات کیسے ہو سکیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"توبہ ہے..... تم لوگ تو ایک بات کے پیچھے ہی پڑ جاتے ہو۔" بیگم جمشید نے جھنجھلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے امی جان! اب ہم تین چار باتوں کے پیچھے پڑ جائیں گے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"لو اور سنو۔" شائستہ بولی۔

"میرا خیال ہے، اب بھوتوں کو اس حویلی سے بھاگنا ہی پڑے گا۔" خان رحمان نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کیا آپ کو کوئی ترکیب سوجھ گئی ہے، انہیں بھگانے کی۔" [illegible] نے خوش ہو کر کہا۔

"نہیں! میرا خیال ہے، وہ تم لوگوں کی باتیں سن کر بھاگنے کا پروگرام بنا لیں گے۔"

خان رحمان کی اس بات پر ایک قہقہہ لگا۔ اب وہ حویلی کے سامنے کھڑے تھے اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ حویلی کو سر کرنے آئے ہیں۔ انسپکٹر جمشید نے محمد اشرف بہلول کی دی ہوئی بڑی سی چابی تالے میں لگائی۔ چابی گھمانے کے لیے انہیں کچھ زور لگانا پڑا، کیوں کہ تالا نہ جانے کب سے بند پڑا تھا۔ آخر تالا کھل گیا۔ ان سب کے دل دھک دھک کرنے لگے۔

دروازہ ایک خوفناک چرچراہٹ کے ساتھ کھلا، گرم ہوا کا ایک جھونکا ان کے چہروں سے ٹکرایا اور وہ سب ایک لمحے کے لیے لڑکھڑا کر رہ گئے۔ پھر سب سے پہلے انسپکٹر جمشید اندر داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے خان رحمان تھے۔ دوسرا لمحہ انہیں چونکا دینے کے لیے کافی تھا۔

حویلی اندر سے بالکل صاف اور شفاف تھی، کہیں گرد و غبار کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

بھوت آچکا ہے

دروازے کے سامنے ایک وسیع صحن تھا، صحن کے بیچوں بیچ ایک تالاب بنا تھا، تالاب کے اندر ایک فوارہ بھی تھا، لیکن سب کچھ خشک تھا، صحن اینٹوں کا بنا ہوا تھا اور اس پر گرد، غبار یا کوئی تنکا وغیرہ نہیں تھا، صحن کے آگے ایک اور دروازہ تھا، اس دروازے پر ایک جاگیردار قسم کے آدمی کی تصویر بنی تھی۔ یہ تصویر لکڑی پر کھدی ہوئی تھی، اس کے دائیں ہاتھ میں تلوار اور بائیں ہاتھ میں ایک خنجر تھا۔ اس دروازے پر کوئی تالا نہیں تھا۔ وہ اسے کھول کر اندر داخل ہوئے۔ یہ ایک بہت بڑا ہال تھا، چھت بہت اونچی تھی اور اس کے درمیان میں ایک لوہے کی زنجیر لٹک رہی تھی، جو فرش سے صرف پانچ فٹ اونچائی تک آ گئی تھی اور اسے پکڑا جا سکتا تھا، ہال کا فرش بھی بالکل صاف تھا، اس میں چھ الماریاں تھیں، تین ایک طرف تین دوسری طرف، ہال کے سامنے والی دیوار میں ایک دروازہ اور تھا جو کھلا تھا۔ اس دروازے سے باہر نکلے تو انہیں ایک برآمدہ نظر

آیا، دائیں ہاتھ ایک زینہ تھا۔ زینے کے سامنے ایک اور کمرے کا دروازہ تھا، برآمدے میں کل چھ کمروں کے دروازے نظر آئے۔ یہ سب کے سب بند تھے۔ البتہ ان میں تالے لگے ہوئے نہیں تھے۔

"مجھے تو اس حویلی میں کوئی ایسی ویسی بات نظر نہیں آئی" پروفیسر داؤد کے منہ سے نکلا۔

حویلی کے اندر داخل ہونے کے بعد یہ پہلا جملہ تھا جو کسی کے منہ سے نکلا، فوراً ہی ان کے کانوں نے یہ الفاظ دوبارہ سنے۔ یوں لگا جیسے کسی نے پروفیسر داؤد کے جملے کی نقل اتاری ہو، انہوں نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا۔

"یہ کیا تھا؟" شہناز بیگم کی آواز کپکپا اٹھی۔ پھر وہی ہوا۔ ...... الفاظ بھی انہیں دوبارہ سنائی دیئے۔

"یہ شاید ہماری آوازوں کی گونج ہے۔ آواز ان اونچی دیواروں سے ٹکرا کر پھر ہماری طرف پلٹ آتی ہے۔ بہت بڑی عمارتوں اور پہاڑی علاقوں میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کچھ بھی ہو، اس سے خوف سا محسوس ہوتا ہے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"ابھی وقت ہے، کہو تو تم سب کو واپس ہوٹل آبشار میں چھوڑ آؤں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور آپ واپس یہاں آئیں گے۔" بیگم جمشید نے پوچھا۔

"ہاں! مجھے تو آنا ہی ہو گا۔"

"تب پھر ہم نہیں جائیں گے۔" انہوں نے جواب دیا۔

"بالکل ٹھیک! یہی ہم سب کا فیصلہ ہے۔"

اس دوران ان کی باتیں پلٹ پلٹ کر سنائی دیتی ر

"اب ان کمروں پر بھی نظر ڈال لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے.... آخر ہمیں رات یہاں گزارنی ہے اور ر

ان کمروں میں ہی گزاری جائے گی۔" پروفیسر داؤد بولے۔

انہوں نے پہلا کمرہ کھولا۔ اس میں کاٹھ کباڑ جمع تھا۔ ٹو
پھوٹی کرسیاں، میزیں، لوہے کی چیزیں، انہوں نے اسے بند کر
دیا اور دوسرے کمرے کا دروازہ کھولا۔ یہاں انہیں تین پلنگ
بچھے نظر آئے۔ ان پر صاف ستھرے بستر بھی تھے اور بستر
ایک سلوٹ تک نہیں تھی۔ کمرے اس طرح صاف تھے جیسے
ابھی ابھی صفائی کرنے والا صاف کر کے گیا ہو۔ وہ حیرت زد
رہ گئے۔

"بھوتوں کے بستر!" فاروق بڑبڑایا۔

"تو کیا بھوت بھی ہم جتنے ہی ہوتے ہیں۔ ان کے بستر تو
بہت بڑے ہونے چاہئیں تھے۔" فرزانہ بولی۔

سب سے زیادہ حیران کن تو صفائی کی حالت ہے، اتنے

صفائی پسند بھوت میں نے تو اپنی زندگی میں کبھی دیکھے نہیں۔"
محمود مسکرایا۔

"اس کا مطلب ہے تم اس سے پہلے بھوت دیکھ چکے ہو
لیکن وہ گندے بھوت تھے۔" فاروق نے کہا۔

"ہم میں سے تین اس کمرے میں رات گزاریں گے۔" انسپکٹر
جمشید بولے۔

"ہم سب ایک ہی کمرے میں کیوں نہ رات بسر کریں۔"
شہناز بیگم نے گھبرا کر کہا۔ بستروں کو دیکھ کر سب کی ہٹی گم
ہوتی جا رہی تھی۔

"ایک کمرے میں اتنے آدمی نہیں آ سکتے، خیر، آیئے، تیسرا
کمرہ دیکھیں۔"

"ایک بات اور بھی ہے، اگر ہم ان پلنگوں پر سوئے تو
بھوت کہاں سوئیں گے، ہمیں اپنے بستروں پر دیکھ کر وہ
ناراض نہیں ہو جائیں گے اور میرے خیال میں ان کی ناراضی
مول لینا مناسب نہیں ہو گا۔" محمود نے گھبرائے ہوئے لہجے
میں کہا۔

"تو ادھار لے لیتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا چیز ادھار لے لیتے ہیں۔" خان رحمان نے بے خیالی
میں کہا۔ انہوں نے شاید محمود کا جملہ نہیں سنا تھا۔

"جی ناراضی، محمود کا کہنا ہے کہ ہمیں بھوتوں کی ناراضی
نہیں لینی چاہیئے، لہذا میں نے کہہ دیا کہ مول لے لی
"تم بہت شریر ہو گئے ہو۔" خان رحمان ہنسے۔

تیسرے کمرے میں بھی تین پلنگ نظر آئے۔ ان پر
صاف ستھرے بستر بچھے تھے۔

"یہاں تو ہر کمرے میں تین بستر ہیں شاید، کیوں نہ
ہال میں چارپائیاں بچھائیں، اس طرح ہم سب کے سب ایک
کمرے میں رات بسر کر سکیں گے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔" شہناز بیگم خوش ہو
بولیں۔

"اس کا مطلب ہے، آپ لوگ خوفزدہ ہیں، جب کہ
تک یہاں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی جس سے خو
محسوس ہو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"حویلی اتنے عرصے سے بند پڑی ہے، تو پھر یہ اند
اس قدر صاف کیوں ہے، کیا یہ بات کم حیرت انگیز
پروفیسر داؤد بولے۔

"ہوں! آپ ایک سائنس دان ہیں، آپ ہی بتائیے۔
بھوتوں اور روحوں وغیرہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔"
جمشید مسکرائے۔

"میں سائنس دان ہوں کوئی روحانیت کا پروفیسر نہیں ہوں۔" پروفیسر
داؤد بولے۔

"کم از کم ایک بات ضرور کہی جا سکتی ہے اور وہ یہ کہ اس
حویلی میں کوئی چکر ضرور چل رہا ہے، ورنہ حویلی اندر سے صاف
نہیں مل سکتی تھی۔" خان رحمان نے کہا۔

"یہ بات تو ایک بچہ بھی کہہ سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے
منہ بنایا۔

"آپ کے آگے میں بھی تو ایک بچہ ہی ہوں۔" خان
رحمان مسکرائے۔

اس وقت تک وہ چھٹے کمرے کا جائزہ بھی لے چکے
تھے۔ سوائے پہلے کمرے کے انہیں ہر کمرے میں تین تین بستر
نظر آئے تھے۔ ان بستروں کے علاوہ اور کوئی چیز دکھائی نہیں
دی تھی۔

"مطلب یہ ہوا کہ حویلی میں کل پندرہ بھوت رہتے ہیں۔"
خان رحمان نے کہا۔

"اور ہم پندرہ بھوتوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے بہتر
یہی ہو گا کہ واپس ہوٹل چلیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"میں اٹھائے ہوئے قدم پیچھے ہٹانے کا عادی نہیں، اب
چاہے مجھے ان بھوتوں سے کشتی ہی کیوں نہ لڑنا پڑے۔" انسپکٹر

جمشید بولے۔

"تب پھر بھابی کی بتائی ہوئی ترکیب کے علاوہ کچھ نہیں
کیا جا سکتا۔ ہم سب ہال کمرے میں بستر لگا لیتے ہیں۔" خان
رحمان بولے۔

"چلو یونہی سہی، سورج غروب ہونے سے پہلے ہمیں یہ
دیکھنا ہے کہ رات کے وقت روشنی کا کیا انتظام ہے۔
میں بلب تو لگے ہوئے ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ ان
کرنٹ آتا ہے یا نہیں، اگر بجلی کا نظام خراب پڑا ہے تو
موم بتیوں یا گیس کے لیمپ کا انتظام کرنا ہو گا، ورنہ اندھ
میں ہم میں سے کئی ایک ڈر جائیں گے، اور اگر کہیں پیچ
بھوتوں سے ہوا تو مصیبت میں گھر جائیں گے۔ کیونکہ ہم اندھ
میں نہیں دیکھ سکتے، جب کہ بھوتوں کو اندھیرے میں صاف نظر
آتا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو کیا آپ بھوتوں کے وجود پہ ایمان لے آئے ہیں۔" فرز
کے لہجے میں حیرت تھی۔

"بھوتوں سے یہاں میری مراد آسیب سے ہے۔" انسپکٹر جمش
نے جواب دیا۔

"لیکن آپ تو آسیب واسیب کو بھی نہیں مانتے۔" محمود

"ہاں! لیکن میں کہہ چکا ہوں، جنوں کا وجود ضرور موجود ہے
اور جادو وغیرہ کی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ
ایک مرتبہ یہودیوں نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم پر بھی جادو کر دیا تھا اور آپ بہت دنوں تک
اس جادو کے زیر اثر رہے تھے۔" انہوں نے بتایا۔

"تو پھر یہ طے رہی کہ ہم سب ہال کمرے میں سوئیں گے۔"
خان رحمان بولے۔

"ہاں! لیکن ابھی ہمیں اوپر والی منزل بھی دیکھنی ہے، زینہ ہم
دیکھ ہی چکے ہیں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے چھٹے کمرے کا بلب
جلا کر دیکھا، لیکن بلب روشن نہ ہوا۔ پھر انہوں نے تمام کمروں کے
بلب چیک کیے، لیکن کوئی بلب نہ جلا، اب تو وہ گھبرائے۔

"ہمیں سب سے پہلے اس طرف توجہ دینی چاہیے تھی۔ ہمارے
پاس موم بتیاں بھی نہیں ہیں اور اس کے لیے ہم میں سے کسی
کو پھر قصبے تک جانا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں لے آتا ہوں جا کر۔" خان رحمان بولے۔

"تم محمود کو ساتھ لے جاؤ۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ٹھیک ہے!"

یہ کہہ کر خان رحمان اور محمود برآمدے سے ہال کے اندرونی
دروازے کی طرف بڑھے اور باقیوں نے زینے کا رخ کیا۔ ابھی

وہ زینے کی اوپر والی سیڑھی تک ہی پہنچے تھے کہ خان رحمان
محمود واپس آتے نظر آئے۔ ان کے چہرے اُترے ہوئے
آنکھوں میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"حویلی کا بیرونی دروازہ بند ہے، ہم اسے کھولنے کے لیے
پورا زور لگا چکے ہیں، لیکن دروازہ نہیں کھلا۔"

"کیا!!" وہ سب ایک ساتھ چلائے۔

○

چند لمحوں کے لیے سناٹا طاری ہو گیا، انہیں اپنے دل
صاف محسوس ہوئے۔ ایسے میں فاروق کی آواز اُبھری۔

"تو کیا بھوت حویلی کے باہر بھی موجود رہتے ہیں؟"

"باہر کوئی چوکیدار بھوت رہتا ہو گا۔ ضرور اسی نے دروا
باہر سے بند کیا ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"اب کیا ہو گا؟" ناز کے منہ سے کپکپائی آواز میں نکلا۔

"جو ہو گا، دیکھا جائے گا، آؤ پہلے اوپر والی منزل کا جا
لے لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن رات کے وقت اندھیرے میں ہم بھوتوں سے
مقابلہ کر سکیں گے؟" محمود فکر مند انداز میں بڑبڑایا۔

"کاش! ہم اپنے ساتھ موم بتیاں ہی لے آتے۔" پروفیسر داؤد
کے منہ سے نکلا۔

"میرے پاس لائٹر ہے، لیکن وہ کتنی دیر کام دے سکے گا۔"
خان رحمان بولے۔

"لائٹر تو میرے پاس بھی ہے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"ابھی دن غروب ہونے میں کافی دیر ہے، ہم کوئی تدبیر کر
ہی لیں گے۔ فرزانہ تم ابھی سے سوچنا شروع کر دو۔" انسپکٹر جمشید
نے کہا اور اوپر چڑھ گئے۔ سب نے ان کا ساتھ دیا۔ اوپر
صرف تین کمرے تھے۔ تینوں کمرے بالکل خالی پڑے تھے، البتہ
گرد اور غبار کا یہاں بھی نام نہیں تھا۔

"آؤ نیچے چلیں، شاید اب دروازہ کھلا ملے، ورنہ ہم دیکھیں
گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔"

سب نیچے آئے، برآمدے میں سے ہوتے ہوئے ہال کمرے
میں آئے اور ہال کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے پر پہنچے۔
انہوں نے دروازہ کھولنے کی پوری کوشش کی، لیکن اس مضبوط
دروازے کو کھولنا ان کے بس سے باہر تھا۔

"اب ہمیں جو کچھ بھی کرنا ہے۔ سورج غروب ہونے سے پہلے
پہلے کرنا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"تو پھر سب سے پہلے ہمیں ہال میں چارپائیاں بچھا لینی

چاہئیں۔" خان رحمان بولے۔

"ٹھیک ہے۔"

چند منٹ میں ہی انہوں نے اپنی ضرورت کے مطابق بارہ
چارپائیاں ہال میں ترتیب سے بچھا دیں۔ ترتیب کچھ ایسی تھی
کہ ہال کمرہ کسی ہسپتال کا کمرہ دکھائی دینے لگا۔

"گویا اب ہم اس حویلی کے قیدی ہیں۔" پروفیسر داؤد ایک
چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"خدا جانے حویلی کے قیدی ہیں یا حویلی کے بھوتوں کے لیکن
ایک بات ضرور ہے، یہ بھوت عقل سے پیدل نہیں ہیں۔"
محمود نے کہا۔

"تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ عقل سے سوار ہیں۔" فاروق
بول اٹھا۔

"عقل سے سوار ....." پروفیسر داؤد نے حیرت زدہ لہجے
میں کہا۔

"آپ کو نہیں معلوم! فاروق نئے نئے الفاظ گھڑنے میں
ماہر ہے۔" انسپکٹر جمشید ہنسے پھر چونک کر بولے۔

"ہاں فرزانہ! تم نے کیا سوچا ہے، ہم اندھیرے کا کیا
علاج کریں۔"

"ابا جان! اندھیرا کب سے بیمار ہے۔" فاروق نے کہا اور

ایسے حالات میں بھی وہ سب اپنی مسکراہٹ کسی طرح نہ روک
سکے۔

"دیکھو بھئی! ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، اگر ہم روشنی
کا کوئی بندوبست نہ کر سکے تو اندھیرے میں بھوت ہمیں خوب
پریشان کریں گے۔"

"تو کیا وہ روشنی میں پریشان نہیں کریں گے۔" فاروق نے کہا۔

"خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ۔"

"جی بہتر! اب میں اس وقت تک نہیں بولوں گا۔ جب
تک کہ آپ خود مجھے بولنے کے لیے نہیں کہیں گے اور اگر
اتفاق سے آپ مجھ سے کہنا بھول گئے تو میں ہمیشہ کے
لیے گونگا ہو جاؤں گا، ہو سکتا ہے، میرے گونگا ہو جانے سے
محمود اور فرزانہ بے تحاشا خوش ہوں، لیکن یہ سوچ لیجیے کہ جب
میری زبان نہیں چلا کرے گی تو ماحول سنجیدہ ہو جایا کرے گا
اور اس وقت آپ سوچا کریں گے، کاش میں نے فاروق کو
بولنے سے منع نہ کیا ہوتا، منع ہی کیا تھا تو اسے دوبارہ
بولنے کی اجازت دے دی ہوتی اور ......"

"یہ تم خاموش ہوئے ہو۔" انسپکٹر جمشید تیز لہجے میں بولے۔

"اوہ .... سوری! دراصل میری زبان پھسل پڑی تھی۔" فاروق
نے سہم جانے کی ایکٹنگ کی۔

"ہاں فرزانہ تم بتاؤ کیا سوچا ہے۔"

"صرف ایک ہی صورت ہے، ہال میں آتش دان موجود ہے اس میں لکڑیاں ڈھیر کر کے آگ دی جائے، اس طرح کم از کم ہال میں گھپ اندھیرا نہیں رہے گا اور کسی قدر روشنی ہو جائے گی۔"

"بھئی واہ! مان گیا میں تو فرزانہ کو، کتنی اچھی طرح ترکیب بتائی ہے، اب جنگل جا کر یہ لکڑیاں خود ہی لے آئے گی، رہا بند دروازے کا سوال تو اس کا کیا ہے، بند دروازے میں سے نکلنے کی بھی کوئی نہ کوئی ترکیب سوچ ہی لے گی، ماہر جو ہوئی ترکیبیں سوچنے میں۔" محمود نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"لکڑیاں لینے کے لیے حویلی سے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ کا لہجہ شوخ تھا۔

"تو کیا تم بیرونی دروازہ اکھاڑ کر آتش دان میں جھونکو گی۔" محمود بولا۔

"نہیں، اس کے لیے لکڑیاں ہم کاٹھ کباڑ والے کمرے سے حاصل کریں گے۔ وہاں کئی میزیں اور کرسیاں ٹوٹی پڑی ہیں۔"

"بہت خوب!" خان رحمان خوش ہو کر بولے۔ "لیکن وہ تو بالکل خشک لکڑیاں ہیں، تیل کی طرح جل کر بہت جلد راکھ ہو جائیں

گی، جب کہ ہمیں پوری رات گزارنی ہے۔"

"ہم تمام لکڑیاں ایک ہی بار آتش دان میں نہیں لگائیں گے بلکہ دو دو تین تین کر کے لگائیں گے۔" اس نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے۔ اس کے سوا اور کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

تھوڑی دیر بعد آتش دان کے پاس ٹوٹی ہوئی میزوں اور کرسیوں کا ایک ڈھیر لگایا جا چکا تھا، لیکن چونکہ سورج غروب نہیں ہوا تھا۔ اس لیے آگ نہیں لگائی گئی تھی۔ صحن کے اوپر کھلا آسمان تھا، ہال کے دونوں دروازے کھول دیے جانے کی صورت میں دن کی روشنی ہال میں آ رہی تھی، اور اب رات ہونے تک باتیں کرنے کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔

"اس وقت تک حویلی کے اندر کسی بھوت کا وجود تو ثابت نہیں ہوا، سوائے اس کے کہ حویلی اندر سے بالکل صاف ہے اور ہمارے اندر داخل ہونے کے بعد حویلی کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"صاف ظاہر ہے، اگر باہر کا دروازہ نہ کھلا تو ہم اندر ہی بھوکے پیاسے مر جائیں گے، کیوں کہ ہمارے پاس پانی اور خوراک کا ذخیرہ صرف دو دن کا ہے، اس وقت تک اگر ہم دروازہ

نہ کھول سکے یا کسی طرح حویلی سے باہر جانے میں کامیاب نہ ہو
سکے تو بھوک اور پیاس ہمیں آ لے گی۔" خان رحمان نے کہا۔

"ابھی تک ہم نے اس بات کا جائزہ نہیں لیا کہ حویلی سے
باہر نکلنے کی کوئی اور صورت ہے یا نہیں، یہ ہم صبح دیکھیں
گے، کیونکہ رات تو بہرحال ہم یہاں گزاریں گے ہی......
دروازہ باہر سے بند ہو یا کھلا، اس سے کوئی فرق
نہیں پڑتا۔"

سورج غروب ہوتے ہی انہوں نے آتش دان میں چند
لکڑیاں جوڑ کر انہیں لائٹر کے ذریعے آگ دکھا دی۔ پھر سب
نے کھانا کھایا، اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا اور یہ بات وہ
بخوبی محسوس کر رہے تھے کہ اتنے بڑے ہال کے اندھیرے
کا دو تین لکڑیوں کے شعلے کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، لیکن
اس کے علاوہ وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے، تاہم ان لکڑیوں
کی روشنی کچھ نہ ہونے سے بہتر تھی، یہ اور بات ہے کہ
یہ سودا بھی انہیں مہنگا ہی پڑا، لکڑیاں جلنے سے کمرے کے
اندر گرمی بڑھ گئی تھی اور ان کی پیشانیوں پر ابھی سے پسینہ
نمودار ہونے لگا تھا۔

"کہیں ہم بلاوجہ ہی پریشان نہ ہو رہے ہوں، اس حویلی
میں آسیب واسیب یا بھوتوں کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔" کھانے

سے فارغ ہونے کے بعد وہ چارپائیوں پر بیٹھ گئے تو خان رحمان
نے کہا۔

"اگر یہاں کچھ نہیں ہے تو پھر باہر سے دروازہ کس نے
بند کیا اور کیوں کیا؟" پروفیسر داؤد نے سوال کیا، خان رحمان
اس سوال کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

"بات تو کوئی ضرور ہے، ورنہ یہ حویلی قصبے میں اس حد
تک مشہور نہ ہوتی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"ابا جان! آپ نے ایک بات نوٹ نہیں کی۔" فرزانہ نے
مسکرا کر کہا۔

"میں نوٹ کر چکا ہوں، تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ فاروق بہت
دیر سے خاموش ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا اور پھر
فاروق کی طرف مڑے۔

"بھئی فاروق! اب تم باتیں کر سکتے ہو، میری طرف سے
اجازت ہے، ایسا نہ ہو کہ ادھر تو کمرے میں تاریکی حد درجے
بڑھ جائے اور اُدھر تم بالکل خاموش رہو، ایسے میں اگر وہ
بھوت یہاں آ گئے تو بہت بُری ہو گی۔" انسپکٹر جمشید
بولے۔

"بھوت تو کب کا آ چکا ہے۔"
انہوں نے ایک عجیب خوف ناک قسم کی آواز سنی

بری طرح اچھلے۔

○

انھوں نے ہال پر ایک نظر ڈالی، اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوئی نہ تھا، پھر انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پروفیسر داؤد نے بوکھلا کر کہا:

"یہ جملہ ہم میں سے کس نے کہا تھا؟"

"میرا خیال ہے، ہم میں سے کسی کی آواز اتنی خوفناک نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"تو پھر یہ کون بولا تھا؟" شہناز بیگم نے کہا۔

"ظاہر ہے، بھوت کے علاوہ اور کون بول سکتا ہے۔" آواز پھر آئی۔ اس میں وہی گھن گرج تھی۔

"اے باپ رے! یہ تو سچ مچ بھوت کی آواز ہے۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں! کارروائی شروع ہو چکی ہے۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور تیزی سے ہال کے دروازے کی طرف بڑھے، جونہی وہ اس کے نزدیک پہنچے، دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

"ارے! یہ دروازہ خود بخود کیسے بند ہو گیا؟" محمود نے ہونقوں کی طرح چلا کر کہا۔

"پاگل نہ بنو! دروازہ خود بخود بند نہیں ہوا، بھوت نے باہر سے بند کیا ہے جیسا کہ حویلی کا بیرونی دروازہ بند کیا تھا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔ لکڑیوں کی روشنی میں انہیں اب ایک دوسرے کے چہرے دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے اور کمرے میں گرمی بڑھ گئی تھی۔ ایسے میں وہ ایک دوسرے کو بھی بھوت ہی لگ رہے تھے، انسپکٹر جمشید نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہے، پھر برآمدے میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھے، لیکن اسی وقت وہ بھی بند ہو گیا۔

"اُف اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے۔" بیگم جمشید تھر تھر کانپتی آواز میں بولیں۔

"بھوت ہمیں اپنا قیدی بنا رہے ہیں۔" فاروق بھی بوکھلا کر بولا۔

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی کھٹ کھٹ کی آواز آئی۔ انھوں نے گھبرا کر ہال کی دیواروں کے اوپر والے حصے کی طرف دیکھا، اور یہ دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی کہ روشن دانوں کے شیشے گر گئے تھے۔

"جمشید! اب اس کمرے سے آکسیجن تیزی سے ختم ہو جائے
گی، جلدی کچھ کرو۔" پروفیسر داؤد یہ دیکھ کر چلائے۔

"کیا کروں، آگ بجھا دوں؟"

"آگ بجھانے سے آکسیجن ختم ہونے میں وقت زیادہ ضرور
لگے گا، لیکن ختم پھر بھی ہو ہی جائے گی۔"

"تب .... پھر کیا کریں۔" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"کچھ کرو، خدا کے لیے کچھ کرو۔" پروفیسر گھبرا کر بولے۔

"ٹھہریے! میں دروازہ توڑنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"دروازہ تم سے نہیں ٹوٹے گا۔" وہی آواز پھر آئی۔

"تو پھر کیسے ٹوٹے گا۔" انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"اب تم ہمارے قیدی ہو، ہم تم میں سے ہر روز ایک
کو نکال کر کھائیں گے۔"

"ارے باپ رے! تم بھوت ہو یا جن .... بلکہ یہ کام
تو دیو حضرات کیا کرتے تھے، وہ بھی جادوئی کہانیوں میں۔" فاروق
نے گڑبڑا کر کہا۔

"اب بھوت بھی دیوؤں کی برادری میں شامل ہو گئے ہیں۔
اور انہوں نے بھی یہ کام شروع کر دیا ہے۔" آواز گویا لہراتی
ہوئی آئی۔ اتنی دیر میں انسپکٹر جمشید دوڑ کر ہال کے دروازے
پر ٹکر مار چکے تھے۔ لیکن دروازہ اپنی جگہ سے ہلا
تک نہیں، انہوں نے دوسری اور پھر تیسری ٹکر بھی دے ماری
اور پھر مایوس ہو کر واپس ان کے پاس چلے آئے۔

"اب کیا ہو گا۔" شہناز بیگم کے منہ سے نکلا۔

حامد، سرور، ناز اور شگفتہ کے چہرے تو دھواں ہو رہے
تھے، شہناز بیگم اور بیگم جمشید کا حال بھی پتلا تھا، البتہ محمود،
فاروق اور فرزانہ اس حد تک گھبرائے ہوئے نہیں تھے،
خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی پریشان تھے، اگر کوئی اب
بھی پرسکون تھا تو وہ انسپکٹر جمشید، اگرچہ دروازے پر
ٹکریں مارنے کے بعد وہ ناکام ہو چکے تھے، لیکن اس
ناکامی نے بھی ان کے حوصلے پست نہیں کیے تھے۔

اچانک ان کے کانوں میں ڈھول پیٹے جانے کی آواز آنے
لگی، لیکن یہ آواز بہت مدھم تھی، انہیں یوں لگا جیسے حویلی
سے بہت دور کہیں جنگل میں زور زور سے ڈھول پیٹا جا
رہا ہو۔ آواز ہلکی ضرور تھی مگر اس کی دھمک انہوں نے اپنی
کنپٹیوں پر صاف محسوس کی۔

"اُف خدا! یہ جنگلیوں کے ڈھول کی آواز ہے، جب وہ
کسی کو پکڑ لیتے ہیں تو پھر اس کے گرد ناچتے ہوئے بالکل
اسی انداز میں ڈھول بجاتے ہیں۔" خان رحمان نے بوکھلا کر
کہا۔

"تمہیں کیسے معلوم ہے کہ یہ آواز ایسی ہی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں گھورا۔

"میں ایک بار ان کے شکنجے میں پھنس گیا تھا، شکار کھیلتے ہوئے دور نکل گیا اور انہوں نے مجھے گھیر لیا۔" خان رحمان نے بتایا۔

"اوہ! پھر تم ان کی قید سے کیسے نکلے۔" انسپکٹر جمشید نے سوال کیا۔

"مجھے اچانک ہی اپنے پستول کا خیال آ گیا تھا۔" انہوں نے کہا۔

اس وقت تک گھٹن بہت بڑھ گئی تھی۔ ان کے سانس سینے میں اٹکنے لگے۔ آکسیجن بہت تیزی سے غائب ہو رہی تھی۔

"پروفیسر صاحب! کیا اتنے بڑے ہال سے اتنی جلد آکسیجن ختم ہو سکتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں! شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ہال میں آگ بھی جل رہی ہے، آگ جلنے سے بھی تو آکسیجن خرچ ہوتی ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"تت.... تو.... کیا ہمارا آخری وقت آ پہنچا۔" شہناز بیگم نے مردہ آواز میں اٹک اٹک کر کہا۔

"بیگم حوصلہ کرو۔ تم تو دوسروں کو بھی بوکھلائے دے رہی ہو۔" خان رحمان نے انہیں گھورا۔

"حوصلہ کہاں سے کروں، میرا سانس گھٹ رہا ہے۔"

"ہماری بھی یہی حالت ہے۔"

"کیا خیال ہے، پروفیسر صاحب.... آگ بجھا دیں۔" انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"ہاں! اس طرح کمرے کی کچھ آکسیجن بچا سکیں گے۔"

"لیکن نہیں!" اچانک انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔ وہ کسی خیال کے آنے پر چونک اٹھے تھے۔ انہوں نے خان رحمان کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"خان رحمان! تم جنگلیوں کے شکنجے سے اپنے پستول کی مدد سے بچ نکلے تھے نا۔"

"ہاں! لیکن یہاں صورتِ حال مختلف ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"مختلف نہیں ہے نا۔"

یہ کہتے ہی انسپکٹر جمشید نے اپنی جیب سے پستول نکال لیا اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھ سکتے، انہوں نے ہال کے ایک روشن دان پر فائر جھونک مارا۔ شیشہ ایک چھناکے سے ٹوٹا، ساتھ ہی فائر کی آواز ہال میں گونجی پھر ایک فائر اور ہوا اور دوسری طرف کا ایک روشن دان چھلنی ہو گیا۔

فوراً ہی گھٹن کم ہونے لگی۔

وہ لمبے لمبے سانس لینے لگے۔ انہیں یوں لگا جیسے موت کے دروازے سے واپس لوٹ آنے میں کامیاب ہو گئے ہوں، لیکن ان کا سکون زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا، ایک عجیب و غریب آواز نے ان کے رونگٹے کھڑے کر دیئے اور یہ آواز تھی ٹپ ٹپ ٹپ...... اور اس کے ساتھ ہی چھن چھن کی آواز!!

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

خون کی بارش

"یہ کیسی آواز ہے۔" شائستہ نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

"یہ ٹپ ٹپ کی آواز ہے۔" فاروق نے جواب دیا۔ "لیکن بعد والی آواز کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔"

"وہ تو ہم سبھی سن رہے ہیں، سوال یہ ہے کہ آواز آ کہاں سے رہی ہے؟" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہال میں سے ہی۔" فاروق بولا۔

"تم سے کون پوچھ رہا ہے، خاموش رہو۔" فرزانہ نے چلا کر کہا۔

"خود پر قابو رکھو، اس طرح چلانے کیوں لگے۔" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اوہ! مجھے افسوس ہے ابا جان! شاید میں ان حالات سے گھبرا گئی ہوں۔" فرزانہ نے شرمندہ لہجے میں کہا۔

"گھبرانے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا، آؤ دیکھیں، یہ آواز کیسی ہے۔"

"لیکن اس اندھیرے میں کیسے دیکھیں۔" فاروق بولا۔

"جاؤ تم آتش دان میں سے ایک جلتی ہوئی لکڑی اٹھا لاؤ، ہم اس کی روشنی میں ہال کا جائزہ لیں گے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی!! میں اٹھا لاؤں۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں کیوں! کیا لکڑی اٹھا کر لانا بہت مشکل کام ہے" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اگر اتنا ہی آسان کام ہے تو تم لے آؤ جا کر۔" فاروق جل بھن کر بولا۔

"یہ کس بحث میں الجھ گئے۔ وقت نہ ضائع کرو۔" انسپکٹر جمشید نے انہیں جھڑکا۔

"وقت تو ہمارا بھوت ضائع کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں آرام سے سو جانے دیتے تو ان کی نیند بھی حرام نہ ہوتی اور ہم تو سوتے ہی گھوڑے بیچ کر، لیکن نہیں، اس ہال میں بھلا ہم گھوڑے کہاں سے لاتے۔" فاروق کہتا چلا گیا۔

"تم سے خدا سمجھے۔ کبھی تو موقع محل دیکھ لیا کرو۔" فرزانہ چلائی۔

"اس وقت تو میں حویلی کا ہال دیکھ رہا ہوں، جس میں اندھیرے کا راج ہے اور روشنی بھیک مانگتی معلوم

“

ہوتی ہے، یوں لگتا ہے جیسے اس اندھیرے نے ہمیں نگل لیا ہے..... ہڑپ کر لیا ہے۔"

"فاروق بھائی اتنے خوف ناک الفاظ منہ سے نہ نکالو!" شائستہ نے بوکھلا کر کہا۔

"اب میں اس خوف ناک اندھیرے میں خوب صورت الفاظ کیسے تلاش کروں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"توبہ ہے تم سے، میں نے ایک لکڑی اٹھا کر لانے کے لیے کیا کہہ دیا، تمہاری زبان چل نکلی۔ جاؤ محمود! لکڑی تم اٹھا کر لے آؤ۔"

"جی بہتر!" محمود نے کہا اور قدم اٹھایا ہی تھا کہ فاروق نے اپنی جگہ سے آتش دان کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ساتھ ہی وہ پھسلا اور کمر کے بل دھڑام سے گرا۔ اس کے سر کا پچھلا حصہ فرش سے ٹکرایا۔

"ارے! کیا ہوا۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"شاید فرش بہت چکنا ہے، فاروق پھسل گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے فکر مند لہجے میں کہا، کیوں کہ سر کے ٹکرانے سے زور دار آواز پیدا ہوئی تھی۔

"فرش چکنا ہے یا نہیں، گیلا ضرور ہے۔" فاروق نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا اور اس کوشش میں وہ

مرتبہ پھر گر گیا، لیکن اس مرتبہ چوٹ نہیں لگی تھی۔

"خدایا رحم! کہیں یہ جادو کا فرش تو نہیں۔" بیگم جمشید بوکھلا کر آگے بڑھیں، اتنے میں انسپکٹر جمشید بھی آگے بڑھ چکے تھے، لیکن ان کا رخ فاروق کی بجائے آتش دان کی طرف تھا، دوسرے ہی لمحے وہ آتش دان سے جلتی ہوئی لکڑی اٹھانے کے لیے جھکے اور پھر دھک سے رہ گئے۔ ان کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

"کیا ہوا جمشید! خیر تو ہے۔" خان رحمان نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر وہ سب فاروق کو بھول کر آتش دان کی طرف جھپٹے۔

○

آتش دان میں سرخ رنگ کے قطرے ٹپ ٹپ گر رہے تھے، ان میں سے کچھ انگاروں پر گرتے وقت چھن چھن کی آواز پیدا کر رہے تھے۔ ان قطروں نے راکھ میں سے ایک باریک سی لکیر بنا لی تھی اور یہ لکیر آتش دان سے ہال کے فرش پر آ گئی تھی۔ فاروق کا پاؤں اسی لکیر پر پڑ گیا تھا۔

"اُف اللہ! یہ .... یہ تو خون ہے۔" پروفیسر داؤد کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

"ہاں! یہ رنگ دار پانی نہیں۔" انسپکٹر جمشید نے انگلی اس لکیر سے چھوتے ہوئے کہا۔

"ہاں ..... لیکن یہ خون کہاں سے آ رہا ہے؟" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"دھواں خارج کرنے والے پائپ میں سے اور اس پائپ کا اوپر والا سرا حویلی کی چھت پر ہے، یہ دیکھنے کے لیے ہمیں چھت پر جانا ہو گا کہ خون پائپ میں کیسے اور کہاں سے داخل ہو رہا ہے، لیکن ہم چھت پر تو اس وقت جا سکتے ہیں جب ہال کے دروازے کھلے ہوں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔ اب وہ فاروق کی طرف مڑے۔ وہ سر پکڑے فرش پر اکڑوں بیٹھا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو فاروق؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی .... جی ہاں! ٹھیک ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"خدا جانے یہ کس کا خون ہے، کہیں انسانی نہ ہو۔" خان رحمان کی آواز میں لرزش تھی۔

"میں ایک بار پھر دروازہ کھولنے کی کوشش کرتا ہوں، دروازہ کھل گیا تو اوپر چل کر دیکھیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ برآمدے میں کھلنے والے دروازے کی طرف بڑھے، انہوں نے دروازے کے ہینڈل پکڑ کر پوری طاقت سے اپنی طرف کھینچے، لیکن طاقت لگانے کی تو شاید ضرورت ہی نہیں تھی۔ دروازہ تو کھلا تھا۔

"ارے! دروازہ تو کھلا ہے۔" للی کے منہ سے نکلا۔

"لیکن کچھ دیر پہلے تو بند تھا!" خان رحمان بولے۔

"شاید بھوت ہم سے آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ارے! تم بولنے کے قابل ہو گئے۔" خان رحمان نے خوش ہو کر کہا۔

"میں خود تو بے ہوش ہو سکتا ہوں، میری زبان بے ہوش نہیں ہو سکتی۔" فاروق مسکرایا۔

"گویا تم بے ہوشی کے عالم میں بھی باتیں کر سکتے ہو۔" حامد ہنس کر بولا۔

"آؤ پہلے اوپر چل کر دیکھ لیں، ویسے ہال کا دروازہ کھلا ملنے کا مطلب یہ ہے کہ بیرونی دروازہ بھی کھل گیا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ہال سے باہر نکل گئے۔ دوسروں نے بھی ان کا ساتھ دیا، لیکن باہر گھپ اندھیرا تھا۔

"باپ رے! اتنے اندھیرے میں کیا خاک نظر آئے گا۔"

خان رحمان بڑبڑائے۔

"کاش ہم موم بتیاں لے آئے ہوتے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"صبح تک اگر ہم زندہ بچے رہے اور کل بھی یہاں ٹھہرنے کا پروگرام بنا تو دن نکلنے کے بعد پہلا کام یہی کریں گے۔" محمود نے کہا۔

"ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لو، میں اندازے سے زینے کی طرف جا رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

اندھوں کی طرح آگے پیچھے ایک دوسرے کو پکڑے وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر پہنچ گئے، لیکن یہ دوسری منزل تھی جس میں انہوں نے تین خالی کمرے دیکھے تھے۔ آتش دان کی چمنی ظاہر ہے، اس سے اوپر والی چھت پر تھی۔ ابھی انہوں نے دوسری منزل کے زینے کی طرف قدم اٹھائے ہی تھے کہ درمیانی کمرے میں آگ کے شعلے بھڑکتے دکھائی دیے۔

شعلوں کی روشنی میں انہیں پتا چلا، کمرے کا دروازہ چوپٹ کھلا تھا اور اندر آگ کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ زینے اور چمنی کو بھول کر اس کمرے کی طرف لپکے، کیونکہ ہوش اڑا دینے والا یہ خیال انہیں فوراً ہی آیا تھا کہ اگر حویلی میں آگ لگ گئی تو ان کے لیے بھی بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہو گا، کیونکہ بیرونی دروازہ بند تھا اور جتنی دیر میں دروازہ آگ لگنے سے کھلتا، وہ

بھی آگ سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ اگرچہ کمرے کی طرف دوڑتے وقت وہ یہ یکسر بھول گئے تھے کہ ان کے پاس آگ بجھانے کا قطعاً کوئی سامان نہیں ہے۔ کمرے کے نزدیک پہنچتے ہی ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

کمرے میں آگ کا نام و نشان تک نہ تھا، نہ دھواں تھا، نہ راکھ نہ کوئلے اور نہ حرارت۔ کمرہ اندر سے بالکل سرد تھا، یوں جیسے اس میں کبھی آگ کا گزر ہوا ہی نہ ہو۔

پتھر برستے ہیں

"کیا ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں۔" شہناز بیگم نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"اتنے بہت سے آدمیوں کا ایک ہی وقت میں ایک خواب دیکھنا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔" بیگم جمشید بولیں۔

"تو پھر یہ کیا تھا، آگ تو ہم سب کو نظر آئی تھی۔"

"اب اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ حویلی واقعی آسیب زدہ ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی!! یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" محمود، فاروق اور فرزانہ نے ایک ساتھ کہا۔ ان کی آنکھیں باہر کو ابلتی معلوم ہوئیں کیونکہ ان کے والد کسی آسیب وغیرہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

"ہاں! ورنہ تم ہی بتا دو، آگ کے اس کمرے میں نظر آنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے جب کہ کمرے میں سرے سے آگ کا کوئی نشان موجود نہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"اس کی کوئی وجہ کم از کم میرے ذہن میں تو نہیں آ رہی۔"
محمود نے کہا۔

"بھئی جمشید! میرا تو مشورہ یہی ہے کہ ہمیں فوراً اس حویلی سے نکل جانا چاہیے۔" پروفیسر داؤد نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"لیکن نکل کیسے جائیں، صدر دروازہ تو باہر سے بند ہے۔"
انسپکٹر جمشید بولے۔

"کچھ ہی دیر پہلے ہال کا دروازہ کھل جانے پر تم نے خیال ظاہر کیا تھا کہ شاید بیرونی دروازہ بھی کھلا ملے، تو پھر کیوں نہ ہم دروازے کو دیکھ لیں۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ٹھیک ہے، ہم ضرور یہی کریں گے۔"

"یعنی ہم واپس جائیں گے۔" محمود کے لہجے میں بے یقینی تھی۔

"ہاں! یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ تھکا تھکا تھا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر ہال میں داخل ہوئے۔ یہاں ابھی تک مکڑیاں چیخ رہی تھیں، لیکن اب گھٹن کا نام نہیں تھا، کیوں کہ وہ کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ گئے تھے اور [illegible] ہی ملا تھا۔ وہ سامنے والے

دروازے پر پہنچے، ہینڈل پکڑ کر کھینچا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ صحن میں تھے۔ صحن عبور کرتے ہوئے پھاٹک تک جا پہنچے۔ اچانک انہوں نے پروفیسر داؤد کی آواز سنی۔

"شائستہ بیٹی! تم کہاں ہو؟"

جواب میں شائستہ کی آواز سنائی نہ دی۔ انسپکٹر جمشید کے دروازے کی طرف اٹھتے ہوئے ہاتھ رک گئے، شائستہ نے ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"شائستہ بیٹی! تم نے جواب نہیں دیا۔ تم ہمارے درمیان موجود تو ہو۔" اس بار پروفیسر داؤد کی آواز کانپ اٹھی لیکن جواب پھر بھی نہ ملا۔

"اب تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ خان رحمان پوری طاقت سے چلا اٹھے۔

"شائستہ بیٹی!"

ان کی آواز دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آئی، اور یہ حقیقت ان پر واضح ہو گئی کہ شائستہ ان کے ساتھ نہیں تھی، وہ نہ جانے کس وقت ان سے بچھڑ گئی تھی، لیکن سوال یہ تھا کہ بچھڑتے وقت اس نے انہیں آواز کیوں نہیں دی، اس کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔

تھوڑی دیر تک موت کا سناٹا طاری رہا۔ سب کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ انسپکٹر جمشید تک بیرونی دروازہ کھولنا بھول گئے تھے۔ کافی دیر بعد فاروق کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"جب ٹپ ٹپ کی آواز سنائی دی تھی تو اس وقت شائستہ ہمارے ساتھ موجود تھی، کیونکہ اس نے حیران ہوکر کہا تھا، یہ کیسی آواز ہے۔"

"اس وقت تو وہ یقیناً ہمارے ساتھ تھی، کیونکہ ہال کے دونوں دروازے بند تھے، پھر ہم برآمدے والا دروازہ کھول کر باہر نکلے تھے، اس وقت ہم نے اندھیرے کی وجہ سے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ لیے تھے، لیکن کیا پتا، شائستہ کسی کا ہاتھ پکڑ رکھی تھی یا نہیں اور وہ ہال سے باہر بھی نکلی تھی یا نہیں ...... اوپر پہنچ کر جب ہمیں درمیانی کمرے میں آگ دکھائی دی تو ہم افراتفری کے عالم میں اس طرف دوڑے تھے اور اس وقت کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہا تھا، ہو سکتا ہے، شائستہ اس وقت ہم سے الگ ہوئی ہو اور اب سب سے پہلے ہم شائستہ کو تلاش کریں گے، اس کے بغیر ہم حویلی سے ہرگز نہیں جائیں گے، چاہے یہ اندھیرا اور اس حویلی کے بھوت ہم سب کو نگل لیں، ہڑپ کر لیں:" انسپکٹر جمشید جذباتی

انداز میں کہتے چلے گئے۔ پھر وہ تیزی سے مڑے اور دوڑتے ہوئے ہال میں داخل ہوئے۔ ان کے دوڑتے قدموں کی آواز خوفناک گونج پیدا کر گئی۔ وہ سب ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے تو انہیں دوسرے دروازے سے نکلتے پایا: شاید وہ شائستہ کی تلاش میں اوپر جانا چاہتے تھے۔

دوسری منزل کی اچھی طرح تلاشی لی گئی، پھر وہ اوپر چھت پر بھی چڑھے۔ چمنی کا سرا چھت کے ایک کونے پر نظر آیا۔ چھت کے ارد گرد تین فٹ اونچی دیوار تھی۔ انہوں نے منڈیر سے نیچے جھانک کر دیکھا، اندھیرے میں وہ کچھ اندازہ نہ لگا سکے کہ کتنی اونچائی پر ہیں۔ چمنی کے آس پاس انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا اور یہ کچھ کم حیرت کی بات نہیں تھی، اگر یہاں کچھ بھی نہیں تھا تو چمنی میں سے خون کے قطرے کہاں سے گر رہے تھے۔

شائستہ کا بھی کوئی نشان نہ ملا اور خون کے قطروں کا بھی کچھ سراغ نہ لگا۔ اب تو ان کے اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے، اب تک وہ اس خیال میں تھے کہ کچھ جرائم پیشہ لوگوں نے حویلی کو اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے اور لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے اس کے اندر آسیب واسیب کا چکر چلا رکھا ہے، لیکن دروازوں کا خود بخود بند ہو جانا،

کمرے سے آکسیجن کا تیزی سے ختم ہونا، آتش دان میں خون
کے قطرے ٹپکنا، اوپر والے کمرے میں آگ بھڑکتی دکھائی دینا اور
پھر شائستہ کا گم ہونا، یہ ایسی باتیں تھیں جن کا جواب ان کی
عقلیں نہ دے سکیں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے
کہ کیا یہ حویلی واقعی آسیب زدہ ہے اور اگر ایسا ہے
تو شائستہ کی واپسی کیسے ہو گی..... کیا اس کے بغیر وہ
سب حویلی سے رخصت ہونا پسند کریں گے۔ اس کے لیے
انسپکٹر جمشید پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ یہ ناممکن ہے۔

چنانچہ تھک ہار کر وہ پھر ہال میں آئے۔ آتش دان میں
لکڑیاں تقریباً ختم ہو چلی تھیں۔ البتہ انگارے لو دے رہے
تھے اور اس لو میں وہ ایک دوسرے کو بھوت ہی نظر آئے
چارپائیوں پر بیٹھ کر وہ ایک دوسرے کو گھورنے لگے۔ زبانوں
پر جیسے تالے پڑ گئے تھے۔ حلق سوکھ گئے تھے اور انسپکٹر جمشید
سوچ رہے تھے، کاش! ان لوگوں نے ان کا فیصلہ مان
لیا ہوتا اور وہ یہاں صرف محمود، فاروق اور فرزانہ کو لے کر
آئے ہوتے.....

"پروفیسر صاحب! مجھے بہت افسوس ہے" آخر انسپکٹر جمشید
کے منہ سے نکلا۔

"افسوس ہے تمہیں" پروفیسر چونکے۔

شائستہ بیٹی کی گم شدگی پر۔"

"کیا تمہارا خیال ہے، خدانخواستہ ہم اسے دوبارہ نہیں دیکھ
سکیں گے" پروفیسر نے بے تاب ہو کر کہا۔

"نہیں! خدا نہ کرے" ان کے منہ سے نکلا۔ "میں کہہ چکا
ہوں، ہم اس کے بغیر یہاں سے واپس نہیں جائیں گے" ان
کے لہجے میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

"تب پھر تمہیں افسوس کس بات پر ہے، اس میں تمہارا
تو کوئی قصور نہیں" پروفیسر داؤد بولے۔

"آپ مجھے صرف ایک بات بتا دیں، اس کمرے میں
آگ کا دکھائی دینا کیسے ممکن ہے، جب کہ وہاں سرے سے
آگ لگی ہوئی تھی ہی نہیں" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں خود حیران ہوں اور سوچ رہا ہوں، اگر یہ کارستانی
انسانی ہاتھوں کی ہے تو کیسے ممکن ہے" پروفیسر داؤد بولے۔

"ارے! یہ کیا پڑا ہے" اچانک حامد کے منہ سے نکلا۔

انہوں نے دیکھا، اس کی انگلی ایک سمت میں اٹھی ہوئی
تھی۔ فرش پر انہیں بھی کوئی چیز پڑی دکھائی دی، لیکن چونکہ
کمرے میں روشنی بہت کم تھی۔ اس لیے صاف دکھائی
نہیں دے رہی تھی۔ وہ تیزی سے اٹھے اور اس جگہ
پہنچے۔

"ارے ! یہ تو شائستہ کا سینڈل ہے۔" پروفیسر نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

○

سینڈل برآمدے کی طرف کھلنے والے دروازے کے بالکل قریب پڑا تھا اور دائیں پیر کا تھا۔ وہ سب کھڑے اسے گھورتے رہے اور سوچتے رہے۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے، سینڈل شائستہ کے پیر سے نکل گیا، وہ اس کی وجہ سے پیچھے رہ گئی، سب لوگ اس وقت تک کمرے سے نکل گئے، اندھیرے میں اسے سینڈل نظر نہ آیا تو وہ ایک پاؤں ننگا ہی لیے باہر نکل گئی اور اس وقت ہم سے بچھڑ گئی۔" فرزانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"سوال تو یہ ہے کہ وہ کہاں گئی۔ ہم نے پوری حویلی چھان ماری ہے۔ سب کمرے دیکھ لیے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"ہم نے اندھیرے میں اسے تلاش کیا ہے، کیوں نہ جلتی ہوئی لکڑیاں ہاتھوں میں لے کر ایک بار پھر پوری حویلی کا جائزہ لیں، تمام کمرے دیکھیں۔" محمود بولا۔

"یہ بھی کر لیتے ہیں۔"

... نے آتش دان میں سے ایک ٹوٹی ہوئی میز کے پائے

لگا دیے اور جب انھوں نے اچھی طرح آگ پکڑ لی تو انسپکٹر جمشید، خان رحمان، پروفیسر داؤد اور محمود نے ایک ایک لکڑی اپنے ہاتھوں میں لے کر پہلے تو ہال کا اچھی طرح جائزہ لیا اور پھر برآمدے میں آئے۔ نچلے کمروں کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد اوپر پہنچے اور تینوں کمروں کو دیکھا بھالا، اس کے بعد چھت پر پہنچے، وہاں سے مایوس ہو کر بیرونی دروازے پر آئے۔ لیکن شائستہ کا کہیں پتا نہ چلا۔ بے خیالی میں انسپکٹر جمشید نے بیرونی دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کر کھینچا تو وہ بدستور باہر سے بند تھا۔

"اب شاید صبح سے پہلے کچھ نہ ہو سکے۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں مایوسی کی جھلک اٹھی۔

"اور صبح ہونے میں ابھی پورے پانچ گھنٹے باقی ہیں۔" شہناز بیگم بولیں۔

"آؤ، ہال میں چلتے ہیں، شائستہ کا سینڈل ہال میں ملا ہے اور مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ہال سے ہی غائب ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

سب ہال میں پھر آ گئے۔ لیکن ابھی بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ایک نئی مصیبت نازل ہوئی۔ خان رحمان کے سر پر پتھر کا ایک ٹکڑا لگا، ان کے منہ سے ایک چیخ نکلی اور

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ پتھر کا ایک ٹکڑا ہال کی چھت کی
سے آیا تھا اور یہ ان کے لیے انتہائی حیرت کی بات
چھت تو بالکل بند تھی۔ پھر اس میں سے پتھر کہاں
آ گیا۔ وہ خان رحمان کو اٹھا ہی رہے تھے کہ تڑاتڑ
برسنے لگے۔

"بچو!" انسپکٹر جمشید پوری قوت سے چلائے۔

حیرت بھی خوف بھی

تھروں کی بارش اچانک شروع ہوئی تھی، ورنہ پہلے تو ایک
تھر آ کر خان رحمان کے لگا تھا۔ اپنے سروں کو ہاتھوں
بچاتے وہ اِدھر اُدھر دوڑے۔ خان رحمان بھی اگر اُٹھ
دیوار کا رخ نہ کرتے تو اس وقت تک بیسیوں پتھر
چکے ہوتے۔ دیواروں کے ساتھ پناہ لینے کے بعد انہوں
پتھر برسنے کا منظر صاف دیکھا۔ پتھر چھت سے برس رہے
، حالانکہ چھت میں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں پتھروں
ذخیرہ رکھا جا سکتا۔ پتھروں کے گرنے کی آواز سے ہولناک
م کی گونج پیدا ہو رہی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ پتھر
دائرے کی صورت میں گر رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا
جیسے گھما گھما کر پھینکے جا رہے ہوں، ان کا دائرہ
واروں سے کسی قدر فاصلے پر تھا، یہی وجہ تھی کہ دیواروں
لگنے کے بعد وہ محفوظ ہو گئے تھے، ایک اور عجیب
ت انہوں نے یہ دیکھی کہ کمرے کے عین درمیان میں

جگہ بالکل خالی تھی، وہاں ایک پتھر بھی نہیں گرا تھا،

"جمشید! میرا خیال ہے، ہم واقعی کسی آسیبی چکر میں پھنس گئے ہیں۔" خان رحمان کے منہ سے خوف زدہ لہجے میں نکلا۔

انسپکٹر جمشید نے پتھروں کی بارش کے درمیان میں سے دیکھا، سب کے چہرے خوف سے سفید ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کی آنکھیں بھی پھٹی پڑ رہی تھیں، انہوں نے خود سے کہا..... کیا یہ سچ ہے، ہم واقعی کسی آسیبی چکر میں پھنس چکے ہیں۔

ان کے ذہن نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا اور یہ ایک ایسا سوال تھا جو ان کے ذہن میں پہلی مرتبہ ابھرا تھا، لیکن ان حالات میں انہیں کوئی جواب نہ سوجھا، اچانک انہوں نے ایک اور بات نوٹ کی۔ چند لمحوں تک وہ بغور پتھروں کی بارش کا جائزہ لیتے رہے، پھر چلائے۔

"دائرہ بڑھ رہا ہے، تھوڑی دیر بعد یہ دیواروں تک پہنچ جائے گا۔"

"اوہ! پھر ہم کیا کریں۔" محمود نے بلند آواز میں کہا۔

"ٹھہرو! میں دروازے تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔" انہوں نے کہا اور دیوار کے ساتھ ساتھ رینگنے لگے۔ [illegible] کے منہ سے ایک دل دوز چیخ

ی۔ وہ بوکھلا کر مڑے، ایک پتھر سرور کے کندھے سے ٹکرایا تھا
کا مطلب یہ تھا کہ دائرہ بہت تیزی سے بڑا ہو رہا
، یہ دیکھ کر انسپکٹر جمشید چلائے۔
"کونوں میں سمٹ جاؤ۔"

وہ سب کونوں کی طرف سرکنے لگے۔ انسپکٹر جمشید پھر دروازے
ان بڑھنے لگے۔ کئی پتھر ان سے صرف ایک آدھ انچ کے
ے پر گرے اور وہ بال بال بچے۔ انہوں نے محسوس کیا تھوڑی
بند کمرے میں کوئی جگہ پتھروں کی زد سے محفوظ نہیں رہے
البتہ درمیان میں اب تک کوئی پتھر نہیں گرا تھا، لیکن
کا درمیان میں جانا بھی ایک بہت مشکل کام تھا، ایسا
ے وقت ان میں سے کئی پتھروں کا شکار ہو جاتے۔

اتنے میں وہ صحن میں کھلنے والے دروازے تک پہنچ گئے،
وازہ باہر سے بند نہیں تھا، اس لیے کھلتا چلا گیا۔

"سب لوگ اس طرف آ جائیں، ہم ہال سے باہر نکل سکتے
ں۔" انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

کھلا دروازہ دیکھ کر ان سب کی جان میں جان آئی۔ کونوں
ے کھسک کر وہ دروازے کی طرف چل پڑے۔ انسپکٹر جمشید
و ان کے بغیر کمرے سے باہر نکلنا مناسب نہ سمجھا، وہیں
ے رہے۔ آخر سب ان کے پاس پہنچ گئے۔ پتھر اب

دیواروں کے بالکل نزدیک گرنے لگے تھے، یہاں تک کہ چند ایک دیواروں سے ٹکرائے بھی۔

"بس اب باہر نکل چلو، ورنہ یہ دروازہ بھی زد میں آ جائے گا۔" انہوں نے کہا اور سب باہر نکل آئے۔

"کمال ہے، یہ بھوت حضرات اتنے پتھر کہاں سے اٹھا لائے۔" فاروق نے تھرتھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کہیں سڑک بن رہی ہو گی، وہاں پتھروں کا ڈھیر لگا ہو گا۔ بس وہیں سے اٹھا لائے۔" محمود نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"ہاں! پتھر ہیں تو بالکل وہی جو سڑک بنانے میں استعمال ہوتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

کمرے کے پاس سے ہٹ کر وہ صحن میں آ کھڑے ہوئے۔ اچانک انہوں نے ایک بہت زبردست گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ ان کے دل دہل گئے، انہیں یوں لگا جیسے ساری کی ساری حویلی زمین پر آ رہی ہو اور ملبے کا ڈھیر بن گئی ہو۔ وہ بوکھلا کر مڑے، حویلی جوں کی توں موجود تھی۔ تو پھر... یہ گڑگڑاہٹ کیسی تھی۔ اچانک انہوں نے محسوس کیا گڑگڑاہٹ کے بعد پتھروں کے گرنے کی آواز بند ہو گئی تھی۔ وہ تیزی

ہال کا دروازہ بدستور کھلا تھا۔ دوسرا لمحہ ان کے لیے حیران کن ترین تھا۔ ہال کمرے کا فرش بالکل صاف تھا۔ اس پر ایک پتھر کا ٹکڑا بھی موجود نہیں تھا جبکہ ابھی چند سیکنڈ پہلے پتھروں کی بارش ہوتی رہی تھی، انہوں نے اس طرح بوکھلا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا جیسے وہ سب پاگل ہو گئے ہوں۔

"یہ..... یہ کیسے ممکن ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"شش..... شاید ہم خواب دیکھ رہے تھے۔" فاروق بولا۔

"اگر یہ خواب تھا تو میرے سر پر گومڑ کیوں ابھر آیا ہے۔" خان رحمان بولے، کیوں کہ سب سے پہلا پتھر انہی کے سر لگا تھا۔

"ہو سکتا ہے، یہ خواب اس وقت شروع ہوا ہو جب ہم یہاں آنے کے بعد سو گئے ہوں۔" محمود نے کہا۔

"جہاں تک ہمیں یاد ہے، ہم سونے کے لیے لیٹے ہی تھے کہ یہ چکر شروع ہو گیا تھا اور سب سے پہلے انہوں نے بھوت کی آواز سنی تھی۔"

"تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آخر وہ تمام پتھر کہاں گئے؟" فاروق نے کہا۔

"یہ تو بھوت صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ان کی آواز بھی پھر سنائی نہیں دی، شاید وہ سو گئے ہیں۔"
فرزانہ مسکرائی۔

"اگر وہ سو گئے ہیں تو یہ سب کچھ کون کر رہا ہے؟" فاروق
نے منہ بنایا۔

"اس کے ساتھی کر رہے ہوں گے، ہو سکتا ہے، وہ
گونگے ہوں اور صرف ایک بولنا جانتا ہو۔"

"ایک آگ والا واقعہ ہی کیا کم تھا کہ پتھر بھی یہاں سے
گم ہو گئے۔" پروفیسر داؤد کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور
خوف بھی، شاید وہ شائستہ کے خیال سے پریشان تھے۔

"خدا جانے اس حویلی میں اور کیا کچھ دیکھنا پڑے گا، مجھے
تو سو فیصد یقین ہو چلا ہے کہ حویلی آسیب زدہ ہے۔ آخر
اتنے بہت سے لوگوں نے اس حویلی میں ٹھہرنے کی کوشش کی،
انہیں بھاگنا ہی پڑا، اور یہی کہتے سنے گئے کہ حویلی واقعی
آسیب زدہ ہے۔ اس میں کچھ حقیقت ضرور ہے۔" خان
رحمان کا لہجہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اگر یہ حویلی آسیب زدہ ہے اور شائستہ کو گم کرنے میں
کسی جن بھوت یا روح کا ہاتھ ہے تو بھی میں شائستہ کے
بغیر جانا گوارا نہیں کروں گا۔ اگر آپ لوگ واپس جانا چاہیں
تو جا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیسے واپس چلے جائیں! ہم تمہیں یہاں چھوڑ کر نہیں جا
سکتے اور نہ شائستہ بیٹی کو۔" خان رحمان مضبوط آواز میں بولے۔

"اور پھر بیرونی دروازے کے بند ہوتے ہوئے باہر جانے
کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔" پروفیسر داؤد نے کہا۔

"خیر! اس کی تو تدبیر کی جا سکتی ہے، ہم بند دروازے
کے باوجود اس حویلی سے باہر جا سکتے ہیں، اس وقت نہیں
تو دن کی روشنی میں ایسا ضرور ممکن ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، ہم اس طرح نہیں جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے، شائستہ کی خاطر سب کو اپنی جان خطرے
میں نہیں ڈالنی چاہیے۔ یہاں صرف میں اور جمشید رک جاتے
ہیں، باقی لوگ صبح ہوتے ہی ہوٹل آبشار چلے جائیں۔" پروفیسر
داؤد نے تجویز پیش کی۔

"ہمیں یہ بات منظور نہیں۔" خان رحمان بولے۔

"اور ہم ان کی تائید کرتے ہیں۔" باقی سب ایک ساتھ بولے۔

"جمشید! انہیں سمجھاؤ۔" پروفیسر نے بے چارگی کے عالم میں
کہا۔

"انہیں کیسے سمجھاؤں.... انہیں تو میں ہوٹل آبشار میں نہیں
سمجھا سکا تھا، اس وقت آپ نے بھی انہی کا ساتھ دیا تھا۔
میری حمایت نہیں کی تھی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"تو پھر آؤ...... ایک بار پھر اس پُر اسرار ہال میں داخل ہو جائیں...... یا ہم شائستہ کو حاصل کر کے اس چکر کی تہہ تک پہنچیں گے یا سب شائستہ کے پاس پہنچ جائیں گے۔" خان رحمان نے کہا۔

"بالکل ٹھیک! ہم یہی کریں گے۔"

سب ہال میں داخل ہوئے۔ کہیں کوئی پتھر نہیں تھا، آتش دان میں اب صرف انگارے دہک رہے تھے اور روشنی بہت مدھم تھی۔

"کچھ لکڑیاں ڈال دینی چاہئیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں ڈال کر آتا ہوں۔" فاروق نے کہا اور آتش دان کی طرف چلا۔

یکایک اس کے قدم رک گئے۔ آنکھیں خوف اور دہشت سے پھٹ پڑیں...... اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے چلے گئے۔ اور سنسنی خیز لہریں بدن میں سرایت کرنے لگیں۔

وہ پتھر کے بت کی مانند کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

پریشان ہو کر کہا

لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"معلوم ہوتا ہے، چلتے چلتے سو گیا ہے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"آج سے پہلے تو کبھی چلتے چلتے نہیں سویا۔" محمود بولا۔

"ہو سکتا ہے، اسے بھوت نظر آ گیا ہو۔" حامد نے کہا۔

"بھوت کے نظر آنے پر بھی اس کی زبان گنگ نہیں ہو گی۔" فرزانہ مسکرائی پھر پروفیسر داؤد پر نظر پڑتے ہی اس کی مسکراہٹ یک لخت بجھ گئی۔ اسے شائستہ کا خیال آ گیا تھا، نہ جانے بے چاری کہاں تھی اور کس حال میں...... پروفیسر کے دل پر اس وقت جو گزر رہی تھی، وہ اس سے بخوبی واقف تھی۔

"فاروق! بولو کیا بات ہے، ورنہ ہم تم تک آتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

"ابا جان! کمرے میں ہوا کی آمدورفت کس حد تک ہے۔" آخر فاروق کے لب ہلے۔

"کیا مطلب! یہ ہوا کی آمدورفت کس سلسلے میں پوچھ رہے ہو۔" محمود کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا دروازے سے آنے والی ہوا اتنی ہے کہ لوہے کی اس ہلکی زنجیر کو ہلا سکے۔" فاروق نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں! ہوا بہت ہلکی ہے، جھونکوں کی شکل میں تو اندر

آ ہی نہیں رہی، جب کہ ہم دیکھ سکتے ہیں، زنجیر بہت موٹی اور وزنی ہے۔" خان رحمان بولے۔

"میرا بھی یہی خیال تھا، لیکن میں نے ابھی ابھی...." فاروق کہتے کہتے رُک گیا۔

"کہو کہو، رُک کیوں گئے۔" خان رحمان نے بے تاب ہو کر کہا۔

"میں نے ابھی ابھی اس زنجیر کو ہلتے دیکھا ہے۔" فاروق بولا۔

"بھئی یہ کیا بات ہوئی، زنجیر کا ہلنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں، کیا خبر کوئی بھولا بھٹکا جھونکا اندر آگیا ہو اور زنجیر ہل گئی ہو۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ابھی ابھی تو انکل خان رحمان نے اقرار کیا ہے کہ ہوا بہت مدھم ہے۔" فاروق بولا۔

"ہاں! لیکن ایسے میں اگر کوئی جھونکا آ گیا ہو گا تو ہمیں اس کا کیسے پتا چل سکتا ہے۔ ہم تو اپنی ادھیڑ بن میں لگے ہیں، ایسے میں ہوا کے جھونکوں کو کون نوٹ کرتا پھرے۔" خان رحمان نے کہا۔

"تو پھر آپ یقین کر لیں کہ زنجیر ہلی تھی۔" فاروق نے کہا۔

"چلو بابا! ہلی ہو گی، جاؤ، آتش دان میں لکڑیاں لگا آؤ۔"

[illegible] زنجیر کو نزدیک سے دیکھ لیں۔" فاروق

نے کہا۔

"تم زنجیر کے پیچھے کیوں پڑ گئے آخر۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"خدا جانے میں اس کے پیچھے پڑ گیا یا یہ ہم سب کے پیچھے پڑنے والی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ٹھہرو، ہم دیکھتے ہیں، ضرور تمہیں وہم ہو گیا ہے، اس آسیبی حویلی میں وہم نہیں ہو گا تو اور ہو بھی کیا سکتا۔" پروفیسر داؤد نے کہا اور آگے بڑھنے لگے۔ ان کی دیکھا دیکھی سب زنجیر کی طرف چلے۔ نزدیک پہنچے تو زنجیر بالکل ساکت تھی۔

"فاروق! تمہاری آنکھیں چل گئی ہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! وہ اس لیے کہ دماغ تو تمہارا چل گیا ہے۔ میری تو آنکھیں ہی چلیں گے، یا پھر ہاتھ اور پیر بھی چل سکتے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"بھئی زنجیر تو واقعی بالکل ساکت ہے۔" انسپکٹر جمشید بھی کسی قدر جھلا اٹھے۔

"اس وقت بے شک ساکن ہے، لیکن میں نے اسے حرکت کرتے دیکھا تھا، بلکہ یہ میرے چہرے کی طرف بالکل کسی سانپ کی طرح بڑھی تھی، اس کا سرا سانپ کے پھن کی طرح اٹھا تھا۔" اس نے بتایا۔

"اب اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ تمہیں وہم ہو گیا ہے یا تمہاری نظر کمزور ہو گئی ہے۔"

"خیر میں آتش دان میں لکڑیاں لگانے جا رہا ہوں، اس دوران اگر کسی اور کو وہم ہو جائے تو میں ذمے دار نہیں ہوں گا۔" فاروق نے تلملا کر کہا اور آگے چل پڑا۔ اسی وقت اس نے پروفیسر داؤد کی خوف سے لرزتی آواز سنی۔

"وہ... دیکھو... دیکھو... اُف خدا... اس کا سرا تو واقعی اٹھ رہا ہے۔"

ان کی آواز میں بلا کا خوف تھا۔ دوسرے بھی تھرا اٹھے۔ انہوں نے ایک ساتھ زنجیر کی طرف دیکھا۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ان میں دہشت سما گئی۔

زنجیر کا سرا درحقیقت کسی پھنیر سانپ کے پھن کی طرح اوپر اٹھ رہا تھا۔

کھوپڑی اور دھواں

چند لمحے تک وہ بتوں کی طرح کھڑے زنجیر کے سرے کو اوپر اٹھتے دیکھتے رہے۔ پھر اچانک یہ سرا انسپکٹر جمشید کے چہرے کی طرف بڑھا۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹے۔

"ش ش شاید اس زنجیر میں کسی بھوت کی روح سما گئی ہے۔" محمود ہکلایا۔

"جمشید بھائی! خدا کے لیے یہاں سے چلیے۔" شہناز بیگم نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"اب شائستہ کے بغیر واپسی ناممکن ہے... چاہے ہم سب یہاں ختم ہی کیوں نہ ہو جائیں۔" انہوں نے کہا۔

زنجیر کا سرا اب چاروں طرف لہرانے لگا۔ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ فاروق بھی مڑ کر یہ حیرت ناک منظر دیکھنے لگا تھا۔ اچانک اس نے محسوس کیا کہ روشنی بہت مدھم ہو گئی ہے۔ آتش دان میں لکڑیاں بالکل ختم ہو گئی تھیں اور کوئلے بھی مدھم پڑنے لگے تھے۔ اس نے بمشکل زنجیر سے نظریں

ہٹائیں اور آتش دان کی طرف چل پڑا۔ لکڑیوں کا ڈھیر اب ختم ہونے کے قریب تھا۔ اس نے ایک کرسی کے مختلف حصے اٹھائے اور آگ میں جھونکنے کے لیے قدم آگے بڑھایا۔ دفعتہً اس کا قدم جامد ہو گیا۔ اس نے محسوس کیا، خون کے قطرے گرنا اب بند ہو گئے تھے، لیکن جس جگہ خون کے قطرے گرتے رہے تھے، وہاں ایک گول سی چیز موجود تھی، اس نے جھک کر اس چیز کو دیکھا.... اور پھر اس کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی۔

وہ سب کے سب زنجیر کو بھول کر اس کی طرف مڑے۔ انہوں نے دیکھا، فاروق لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا، پھر وہ گر ہی پڑا اور بے حس و حرکت ہو گیا۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف دوڑے۔ انہوں نے فرش پر بیٹھ کر فاروق کا سر گود میں لے لیا اور اس کے چہرے کو تھپکنے لگے۔

"کیا بات ہے فاروق —— ہوش میں آؤ۔"

"شاید یہ بہت ڈر گیا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"ماحول کا اثر ہے۔" خان رحمان نے کہا۔

اسی وقت فاروق نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے عجیب انداز [illegible] دیکھا۔ انسپکٹر جمشید پریشان ہوگئے۔

"ابا جان! ہم شائستہ بہن کو لیے بغیر یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"ہاں! تم بے فکر رہو، مگر تمہیں ہوا کیا تھا؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آتش دان کی طرف نہ دیکھئے گا، کہیں اس کی طرف دیکھ کر سب یہاں سے جانے کا فیصلہ نہ کر لیں، اسی لیے میں نے کہا ہے نا کہ ہم شائستہ بہن کو لے کر ہی جائیں گے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"آتش دان کی طرف نہ دیکھیں، لیکن کیوں.... تمہیں وہاں کیا نظر آیا ہے؟" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"کک.... کچھ نہیں۔" وہ ہکلایا۔

اب وہ رہ نہ سکے۔ سب کے سب آتش دان کی طرف مڑے، چند قدم کے فاصلے سے انہیں کچھ نظر نہ آیا تو وہ آگے بڑھے۔ انسپکٹر جمشید نے بھی فاروق کو سہارا دے کر اٹھایا اور آتش دان کی طرف بڑھے۔

آتش دان میں ایک انسانی کھوپڑی کوئلوں کے اوپر رکھی تھی، جو گلے کے پاس سے کٹی ہوئی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ کوئلوں پر ہونے کے باوجود اس میں سے گوشت کے جلنے کی چراندھ نہیں آ رہی تھی، البتہ ہلکا ہلکا دھواں ضرور اٹھ رہا تھا۔ یہ ایک ایسا منظر تھا جس نے ان کے ہوش اڑا دیے۔ بیگم جمشید، شہناز بیگم اور [illegible] تو بری طرح کانپنے لگیں، خان رحمان

اور پروفیسر داؤد کے چہرے بھی سفید پڑ گئے۔ انسپکٹر جمشید پریشان ہو گئے۔

"تت.... تو.... تو کیا خون کے قطرے اسی کھوپڑی سے ٹپک رہے تھے؟" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"اس کا مطلب ہے، یہ کھوپڑی آتش دان کی چمنی کے اندر پھنسی ہوئی تھی، اُف خدا.... آخر یہ چمنی کے اندر کہاں سے آ گئی؟" بیگم جمشید لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"اس حویلی پر ضرور جنوں بھوتوں یا روحوں کا قبضہ ہے، اور وہ کسی کا یہاں آنا گوارا نہیں کرتے.... کاش ہم یہاں سے فوری طور پر جا سکتے، کاش شائستہ ہمارے ساتھ ہوتی۔" خان رحمان کی آواز سے بے پناہ خوف ٹپک پڑا۔

"میں.... میں تم لوگوں کو اجازت دیتا ہوں، تم سب چلے جاؤ، مجھ اکیلے کو یہاں چھوڑ دو، جاؤ.... خدا کے لیے چلے جاؤ.... میں نہیں رہوں گا، شائستہ کے بغیر میں جی کر کروں گا بھی کیا، بہتر ہے، روحیں مجھے بھی وہیں پہنچا دیں جہاں انہوں نے شائستہ کو رکھا ہے۔" پروفیسر داؤد کی آواز جذبات سے بوجھل ہو گئی، آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"پروفیسر صاحب! حوصلہ رکھیں، ہم آپ کو یہاں تنہا چھوڑ

کر نہیں جا سکتے، جائیں گے تو سب جائیں گے، ورنہ کوئی بھی نہیں جائیگا۔" انسپکٹر جمشید ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

اسی وقت انہوں نے ہلکی سی چرچراہٹ سنی، انہیں یوں لگا جیسے صحن میں کھلنے والا دروازہ کھلا ہو، وہ تیزی سے مڑے وہ دروازہ بند تھا، لیکن اس کے ساتھ کوئی لگا کھڑا تھا، اچانک محمود نے چلّا کر کہا۔

"ارے! یہ تو شائستہ ہے۔"

وہ سب دیوانہ وار شائستہ کی طرف دوڑے، لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی انہیں ایک زبردست چکر آیا اور وہ لڑکھڑاتے ہوئے فرش پر ڈھیر ہو گئے۔

گرنے والوں میں انسپکٹر جمشید بھی تھے۔

○

کمرے میں زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی، کھڑکیاں کھلی تھیں، ان سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی، فاروق نے دیکھا، محمود اور وہ ایک ہی چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں، محمود کی آنکھیں بند تھیں۔ اس نے اسے ہلایا جلایا تو اس کی بھی آنکھ کھل گئی۔

"یار محمود! میں نے ایک بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔"

"خواب؟" محمود نے الجھے الجھے لہجے میں کہا۔

"ہاں خواب! میں نے دیکھا، ہم سب ہوٹل آبشار سے موت کی حویلی میں آ گئے اور پھر اس میں عجیب خوف ناک قسم کے مناظر دیکھنے میں آئے، کیا میں تمہیں خواب تفصیل سے سناؤں۔" اس نے کہا۔

"رہنے دو! یہی خواب میں نے بھی دیکھا ہے۔" محمود نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"لل.... لیکن.... یہ ہوٹل آبشار کا کمرہ تو نہیں۔" فاروق چونکا۔

"اوہ ارے۔" اس کے منہ سے نکلا۔

اب انہوں نے اردگرد دیکھا، کمرے میں کچھ اور چارپائیاں بھی بچھی تھیں، ان پر باقی لوگ بھی نظر آئے۔ وہ سب ابھی تک بے ہوش تھے، البتہ انسپکٹر جمشید جاگ رہے تھے، وہ بھی لیٹے ہوئے تھے، ان کے چہرے پر ایک تھکی تھکی مسکراہٹ تھی۔

"ہمیں اس دھوئیں نے بے ہوش کیا تھا جو کھوپڑی میں سے نکل رہا تھا۔" انہوں نے کہا۔

"اوہ تو وہ خواب نہیں تھا۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"میں جانتا ہوں، تم مجھ سے مذاق کر رہے تھے، یہ تم بھی اچھی طرح جانتے ہو، وہ خواب نہیں تھا۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن اب ہم کہاں ہیں۔" فرزانہ کی آواز سنائی دی، وہ بھی ہوش میں آ گئی تھی۔

"اسی حویلی میں۔"

"لیکن حویلی میں ہمیں یہ کمرہ تو کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا۔" محمود نے کمرے کو گھورتے ہوئے کہا۔

کافی بڑا کمرہ تھا اور اس میں سات آٹھ چارپائیاں بچھی تھیں، جن پر وہ سب لیٹے ہوئے تھے، دیواروں پر عجیب و غریب مناظر کی تصویریں لگی تھیں، آتش دان پر ایک انسانی تصویر رکھی تھی، یہ تصویر انہیں کچھ جانی پہچانی لگی۔

"ارے! یہ تو پروفیسر ڈبلنگ کی تصویر ہے۔" فرزانہ چلا اٹھی۔

"ہائیں! یہ پروفیسر ڈبلنگ یہاں کہاں سے آ گیا۔" فاروق نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"یہ پروفیسر ڈبلنگ نہیں، اس کی تصویر ہے۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"چلو تصویر ہی سہی، آخر اس تصویر کا یہاں کیا کام؟"

"یہ تو تمہیں پروفیسر ڈبلنگ ہی بتا سکتا ہے۔" فرزانہ بولی۔

"اب میں اسے یہاں کہاں سے لاؤں۔"

"آؤ! دیکھیں، یہ حویلی کا کون سا حصہ ہے، ابا جان کیا

آپ ابھی لیٹے رہنا پسند کریں گے۔"

"ہاں! تم ایک بات تو بھول ہی گئے، بے ہوش ہونے سے پہلے ہمیں ہال کے دروازے پر شائستہ کھڑی نظر آئی تھی۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ ہاں! تو وہ اب کہاں ہے؟"

"وہ رہی، اس طرف، ابھی تک بے ہوش ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آخر ہم لیٹے ہوئے کیوں ہیں، اٹھتے کیوں نہیں۔" پروفیسر داؤد کی آواز آئی۔

"ہاں! اُٹھیے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی، لیکن اٹھ نہ سکے، انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کے جسموں سے جان نچوڑ لی گئی ہو، صرف گردنوں کو حرکت دے سکتے تھے۔

"ہائیں! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔" خان رحمان نے بوکھلا کر کہا۔

"تمہیں ہی نہیں، سب کو ہو گیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بے بسی سے مسکرائے

"اُف اللہ! حویلی کے اس منحوس کمرے سے نکلے تو اس مصیبت میں پھنس گئے، آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔" پروفیسر داؤد

چلائے۔

"یار جمشید کیا تم بھی نہیں اٹھ سکتے۔" خان رحمان کے منہ سے نکلا۔

"میری آنکھ سب سے پہلے کھلی تھی اور اٹھنے کی کوشش کی تھی، لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا، شاید یہ اس دھوئیں کا اثر ہے جو کھوپڑی سے نکلا تھا۔"

"کھوپڑی کا دھواں، واہ..... یہ تو کسی ناول کا نام رکھا جا سکتا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا ناول لکھنے کا ارادہ ہے۔" فرزانہ نے جل کر کہا۔

"ہاں! اس حویلی پر لکھنے کے بارے میں سوچ تو رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"حویلی پر لکھنے کی بجائے کاغذ پر لکھنا بہتر رہے گا....." محمود نے کہا۔

"کیوں! تمہیں حویلی کی دیواروں پر کبڈی کھیلنی ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"یہ تم نے کیا شروع کر دیا۔" انسپکٹر جمشید نے ناگوار لہجے میں کہا۔

"جی آپ بتا دیں، کیا شروع کریں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"خاموشی۔" انہوں نے کہا۔

"خاموشی کو ہم کیسے شروع کریں، یہ تو ہمیں ہی شروع کر کے رکھ دے گی۔" فاروق مسکرایا۔

"شاید تم نے اپنی زندگی میں اس سے زیادہ بے تکا جملہ نہیں بولا ہو گا۔" فرزانہ نے گویا اعلان کیا۔

"اطلاع کے لیے شکریہ! پھر تو یہ میرا شاندار ترین بے تکا جملہ ہوا۔" وہ مسکرایا۔

"آخر ہم کہاں ہیں۔" شہناز بیگم چلائیں۔

"کمرے میں، لیکن یہ کمرہ کہاں ہے، یہ میں بھی نہیں جانتا۔" فاروق نے کہا۔

"خدا تم سے سمجھے۔" انسپکٹر جمشید تلملا کر بولے۔

"جی ہاں! وہ تو ایک دن ضرور سمجھے گا اور وہ دن قیامت کا ہو گا۔"

"اگر اب بولے تو مار بیٹھوں گا۔" انسپکٹر جمشید کو غصہ آ گیا۔

تینوں نے انہیں حیران ہو کر دیکھا۔

"ابا جان! شاید فاروق کے ذہن پر بھی اس دھوئیں کا اثر ہو گیا ہے۔"

"صرف فاروق کے ذہن پر ہی نہیں، ہم سب کے ذہنوں پر ہو گیا ہے، اسی لیے تو مجھے غصہ آ گیا ہے، اگر ہم کچھ دیر اور اسی طرح لیٹے رہے تو شاید ہم بھی حواس کھو بیٹھیں۔" انہوں نے کہا۔

"خدا نہ کرے۔" بیگم جمشید جلدی سے بولیں۔

"آپ اس شخص یا اشخاص کو آواز دیں جنہوں نے ہمیں یہاں لا کر لٹا دیا ہے، کہیں وہ ہمیں یہاں لٹا کر سو تو نہیں گئے۔" محمود نے تجویز پیش کی۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور بلند آواز میں چلائے۔

"ارے بھئی کوئی ہے، ہم جاگ گئے ہیں اور اب اٹھنے کے خواہش مند ہیں، خدا کے لیے جلد آؤ، ہم بیکار لیٹے رہنے کے عادی ہرگز نہیں ہیں۔"

ان کا جملہ ختم ہونے کے بعد گہرا سناٹا طاری ہو گیا، وہ سب جیسے جواب کا انتظار کرنے لگے، جواب تو نہ آیا، لیکن دروازہ ضرور زور دار آواز کے ساتھ کھل گیا، ان سب کی نظریں دروازے کی طرف اٹھ گئیں، انہوں نے دیکھا، وہاں پروفیسر ڈبلنگ کھڑا تھا، وہی گوشت کا پہاڑ۔

گڑھے میں ڈال دو

گوشت کے پہاڑ کو اس جگہ دیکھنے کی اُمید انہیں ہرگز نہ
تھی، وہ تو اسے بھول بھی گئے تھے، حویلی میں پیش آنے
والے پے در پے واقعات نے ان کے ذہنوں سے اس کا خیال
تک نکال دیا تھا۔

"جہاں تک میرا خیال ہے، میری نظریں دھوکا نہیں کھا
رہیں، یہ صاحب ضرور پروفیسر ڈبلنگ ہیں۔" فاروق نے آواز کو
شوخ بناتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حویلی کے واقعات کے
پیچھے اسی کا ہاتھ ہے۔" محمود نے کہا۔

"تب تو بہت موٹا ہاتھ ہے۔"

"تمہارے چھپنے کے لیے بہت تھوڑا وقت رہ گیا ہے، اس
لیے روکوں گا نہیں، اتنا ضرور کہوں گا کہ تم لوگ بہت سخت
جان ہو اور باہمت بھی، ورنہ جو بھی حویلی میں داخل ہوا،
بیچارا چیختا بھاگ کھڑا ہوا یا اس کا ہارٹ فیل ہو گیا۔" پروفیسر

ڈبلنگ نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"بھاگ کھڑے ہونے کی کوشش تو ہم نے بھی کی تھی، لیکن
صدر دروازہ ہی بند تھا۔" فاروق نے کہا۔

"وہ اس لیے بند کر دیا گیا تھا کہ تم نے ہوٹل آبشار میں
مجھ سے ٹکر لی تھی، ورنہ میں تمہیں یہاں سے بھاگ جانے
کا موقع ضرور دیتا۔" اس نے جواب میں کہا۔

"یہ اور بات ہے کہ ہم پھر بھی نہ بھاگتے، کیونکہ بقول تمہارے
ہم بہت سخت جان ہیں۔"

"ہاں! یہی وجہ ہے کہ میں تمہیں ہال سے یہاں اٹھوا لایا
ہوں..... تاکہ ایک ساتھ جہنم میں جا سکو۔"

"چچا ڈبلنگ! کیا آپ نے جہنم کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔"
فرزانہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"ہاں! میں تم لوگوں کے لیے جہنم کا ٹھیکے دار ہی ثابت
ہوں گا۔"

"آخر ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے بھائی ڈبلنگ خان۔" فاروق
نے روتی آواز میں کہا۔

"دن نکل آتا اور تب بھی تم یہاں سے نہ بھاگتے تو اس
حویلی کا پول کھل جاتا اور میں اپنا کام جاری نہ رکھ سکتا، عالم
یہ ہے کہ لوگ ادھر سے گزرنا بھی پسند نہیں کرتے۔"

"بہت خوب! تو تم یہاں کچھ کام بھی کرتے ہو۔" فرزانہ
نے خوش ہو کر کہا۔

"کام تو آدمی کو کرتے ہی رہنا چاہیے، کام کے بغیر
بھی آدمی کی کوئی زندگی ہے، لہٰذا تم تو بہت کام کے آدمی
ہو مگر ہمیں اس طرح کیوں بے بس کر دیا ہے؟"

"میرے آدمی ابھی کمرے میں داخل ہوں گے اور تمہیں
بستروں سمیت دھکیل کر لے جائیں گے، حویلی کے پیچھے جنگل
میں ایک بہت گہرا گڑھا کھودا جا رہا ہے، تم سب کو
ایک ساتھ دفن کرنے کا پروگرام ہے۔" اس نے اسطرح
کہا، جیسے کھانا کھلانے کا پروگرام بتا رہا ہے۔

"ہائیں! ابھی ابھی تو تم ہمیں جہنم کی سیر کرانے کی
بات کر رہے تھے اور اب گڑھے پر اتر آئے۔" فاروق
بوکھلا اٹھا۔

"گڑھے سے ایک راستہ سیدھا جہنم کی طرف جاتا ہے۔"
پروفیسر ڈبلنگ نے ہنس کر کہا۔

"تت.... تو.... راستہ دکھانے کے لیے تم بھی ہمارے
ساتھ ہو گے۔" فرزانہ ہکلائی۔

"تم نے یہ نہیں بتایا، یہاں ایسا کیا کام کرتے رہتے ہو
جس کے لیے حویلی کو آسیب زدہ بنانا پڑا۔" محمود نے پوچھا۔

اس کا سوال سن کر اس نے سب پر ایک نظر ڈالی اور
کہنے لگا۔

"تم اس وقت چلنے کے قابل نہیں ہو، ورنہ میں تمہیں حویلی کے
ان حصوں میں لے جاتا جو تمہاری نظروں میں نہیں آ سکے، حویلی
کے نیچے پانچ کمرے ہیں، یہ کمرہ ان میں سے ایک ہے،
باقی کمروں میں یہاں شراب تیار کی جاتی ہے۔ اسی شراب
کی بوتلیں تم نے ہوٹل آبشار کے کمرے میں سوٹ کیسوں
میں دیکھی تھیں، یہ شراب پورے ملک میں پہنچا دی
جاتی ہے اور کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوتی کہ یہ
کام اس حویلی کے نیچے ہو رہا ہے، پندرہ سال پہلے اس
کام کے لیے میں نے قصبہ دل وار کو چنا تھا اور اس حویلی
کو اس مقصد کے لیے پسند کیا تھا، کیونکہ انہی دنوں میرا داماد
یہاں آ کر ایس پی لگا تھا، میں نے اسے اپنے پروگرام کے
بارے میں نہیں بتایا.... بس وہ یہ جانتا ہے کہ میں شراب پینے
کا بہت شوقین ہوں، خود وہ بھی پیتا ہے، اس طرح ہماری محفلیں
جمتی رہتی ہیں، اس نے دو ایک مرتبہ یہ پوچھا ہے کہ میں یہ
کہاں سے لاتا ہوں، جواب میں میں نے اس سے یہی کہا کہ وہ اس
سوال کو رہنے دے، اپنے کارندوں کو شراب کی بوتلیں سونپنے کے لیے
بھی ہوٹل آبشار کو کام میں لاتا ہوں، رہائش کا بہانہ بنا کر میرے

کارندے خالی سوٹ کیس لے کر وہاں آ جاتے ہیں اور بوتلیں ان میں بھر بھر کر لے جاتے ہیں اور پھر ان دکانوں پر پہنچا دیتے ہیں، جو چوری چھپے یہ کاروبار کرتے ہیں، اس طرح میرا بہت شاندار کاروبار چل رہا ہے۔" وہ بتاتا چلا گیا۔

"بہت خوب! کہیں تم اپنے داماد کو بچانے کے لیے تو ایسا نہیں کہہ رہے اور اصل بات یہ ہو کہ وہ تمہارے اس گھناؤنے کاروبار سے بخوبی واقف ہو۔" انسپکٹر جمشید نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"نہیں! تم لوگوں سے جھوٹ بولنے کی مجھے کیا ضرورت ہے، تم تو چند گھڑیوں کے مہمان ہو، ابھی میں تالی بجاؤں گا تو موت کے فرشتے تمہیں لینے کے لیے آ جائیں گے، اس وقت تک وہ گڑھا تیار کر چکے ہوں گے۔"

"سوال یہ ہے کہ تم تو یہ کام حویلی کے نیچے کرتے ہو، پھر اسے آسیب زدہ بنانے کی کیا ضرورت تھی؟" محمود نے جلدی سے پوچھا، اسے ڈر محسوس ہوا تھا کہ کہیں وہ تالی نہ بجا دے۔

"حویلی خالی کرانے کے لیے بھی تو آسیب کا سہارا لینا پڑا تھا، اشرف بہلول یہاں سے چلا گیا تو پھر میں نے اسے باقاعدہ آسیب زدہ بنا دیا، تاکہ کوئی ادھر کا رخ نہ کرے،

اور کرے تو چیختا چلاتا بھاگ کھڑا ہو۔ دراصل میں ایک بہت ماہر انجینئر ہوں، اپنی مہارت سے کام لے کر میں نے اس حویلی کو آسیب زدہ بنایا ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"اگر تم یہ بھی بتا دو کہ حویلی کو آسیب زدہ کس طرح بنایا ہے تو ہم سکون سے مر سکیں گے۔" فرزانہ بولی۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ یہ ساری تفصیلات بتاؤں۔" یہ کہتے ہی اس نے تالی بجا دی، فوراً قدموں کی آواز سنائی دینے لگی اور کمرے میں دس کے قریب آدمی اندر داخل ہوئے، بستروں میں پہیے لگے ہوئے تھے، دوسرے ہی لمحے ایک ایک بستر دروازے سے باہر نکلنے لگا، ڈبلنگ دروازے کے قریب کھڑا بستروں کو گزرتے دیکھتا رہا۔

"ابا جان! کیا ہم مرنے جا رہے ہیں؟" ایسے میں فاروق کی آواز سنائی دی، آواز میں کوئی گھبراہٹ نہیں تھی، کپکپی نہیں تھی۔

"کچھ کہہ نہیں سکتا، کیا تم ڈر رہے ہو؟"

"جی نہیں! موت تو ایک دن آ کر رہے گی، یہ اور بھی اچھا ہے کہ ہم سب ایک ساتھ دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہو رہے ہیں، وہاں بھی ہم ایک ساتھ رہیں گے، خوب

لطف رہے گا۔" اس نے جھک کر کہا، انہیں حیرت ہوئی کہ
فاروق ان لمحات میں بھی ایسے لہجے میں بات کر سکتا
ہے۔

"مجھے خوشی ہے فاروق۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ اداس تھا۔

"تو پھر آپ کیوں اداس ہیں۔"

"میں سوچتا ہوں، نہ جانے دوسری دنیا کیسی ہو گی، اس
دنیا کے لوگ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے۔"

"چھوڑیے ابا جان! ہمارے لیے یہی اطمینان بہت ہے
کہ ہم سب ساتھ ہیں۔"

"پروفیسر صاحب..... خان رحمان.... تم سب لوگ مجھے
معاف کر دو۔" انسپکٹر جمشید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری
ہی وجہ سے تمہیں یہ وقت دیکھنا پڑ رہا ہے۔"

"تمہاری وجہ سے کیوں، یہ تو ہماری قسمت میں لکھا تھا۔"
پروفیسر داؤد بولے۔

"بھئی ڈبنگ صاحب! کیا یہاں کچھ اور آدمی نہیں ہیں...
اس طرح تو ہم بہت دیر بعد گڑھے تک پہنچیں گے۔"

"حویلی میں میرے ساتھ بس یہی دس آدمی کام کرتے
ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

[illegible] سے نکلتے چلے گئے۔ ہر

بستر کو دو دو آدمی دھکیل رہے تھے، سب سے آگے انسپکٹر
جمشید کا بستر تھا، اب وہ ایک سرنگ میں چلے جا رہے تھے،
پھر انہیں تاروں بھرا آسمان نظر آیا، سرنگ جنگل میں نکلی
تھی اور سرنگ کے دہانے کے ساتھ ہی وہ گڑھا کھودا گیا
تھا، پانچ بستر لا کر گڑھے کے قریب روک دیے گئے، اس
کے بعد چار آدمی پھر اندر چلے گئے، کیونکہ ابھی دو بستر
باقی تھے اور ان پر بیگم جمشید اور شہناز بیگم تھیں، جلد ہی
وہ دو بستر بھی وہاں آ گئے۔

"ٹھیک ہے ڈال دو انہیں گڑھے میں۔" پروفیسر ڈبنگ
نے بے رحم لہجے میں کہا۔

○

ان کے دل یکبارگی بری طرح دھڑکے، سب نے اپنے
ہاتھ پیر ہلا کر دیکھنے کی کوشش کی، تاکہ آخری وقت میں
کچھ کر سکیں، لیکن یہ ممکن نہ ہوا... ہاتھ پیر اور جسم اسی
طرح ساکن تھے۔

دو آدمی انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھے تاکہ انہیں اٹھا کر
گڑھے میں ڈال دیں، لیکن اچانک ان دونوں کے منہ سے
ہولناک چیخیں نکل گئیں اور وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگے

پستول کے دو فائر آنِ واحد میں ہوئے تھے، پروفیسر ڈبلنگ کی
حیرت کا کیا پوچھنا، وہ آنکھیں پھاڑے انسپکٹر جمشید کو دیکھ
رہا تھا جن کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا اور پستول کی نالی
سے دھواں نکل رہا تھا، پھر وہ اس کے دیکھتے ہی دیکھتے
بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئے، ڈبلنگ نے تیزی سے اپنا ہاتھ
جیب کی طرف بڑھایا اور سٹپٹا کر رہ گیا، اس کی جیب
خالی تھی،

"یہ تمہارا ہی پستول ہے مسٹر ڈبلنگ، جب تمہارے آدمی
میرے بستر کو دیکھتے ہوئے تمہارے قریب سے گزرے
تو میں نے یہ تمہاری جیب سے نکال لیا تھا اور یہ نہ
بھی نکالتا تو بھی اس وقت منظر کچھ اسی قسم کا ہوتا، ہاں
اس صورت میں مجھے ہاتھ پیر زیادہ ہلانے پڑتے۔"

ان سب کو جیسے سانپ سونگھ گیا، پھر فرزانہ کی چہکتی
آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"تو آپ بے ہوش نہیں ہوئے تھے۔"

"نہیں! عین وقت پر میں سانس روکنے میں کامیاب ہو
گیا تھا اور تم لوگوں کے ساتھ ہی گر پڑا تھا، پھر تم
لوگوں کے ہوش میں آنے کے بعد بھی بستر پر لیٹا رہا، میں
جاننا چاہتا تھا کہ دشمن نے تم پر کیا وار کیا ہے، تمہارے ہوش

میں آنے کے بعد مجھے معلوم ہو گیا کہ تم سب بستر سے اٹھ
نہیں سکتے، اس لیے میں بھی اسی طرح لیٹا رہا۔"

"بہت خوب! آخر ہم کب اور کس طرح ہاتھ پیر ہلانے
کے قابل ہو سکیں گے۔"

"کیوں پروفیسر ڈبلنگ.... یہ لوگ اس دھوئیں کے اثر
سے کیسے آزاد ہوں گے۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر پوچھا۔ پستول
کی نالی بدستور ان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم" اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"خیر! معلوم ہو جائے گا..... میں تین تک گنوں گا، اگر
تم نے نہ بتایا تو گولی تمہارے دماغ کے پار ہو جائے گی،
میرا نشانہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔" انہوں نے کہا، ایک لمحے
کے لیے رکے پھر بولے۔

"ایک.... دو۔"

"ٹھہرو!" ڈبلنگ چلایا، پھر بولا۔ "وہ دھواں آرسینک اور
چند دوسری گیسوں کا مجموعہ تھا، اگر انہیں امونیا سنگھایا جائے
تو یہ ہلنے جلنے کے قابل ہو جائیں گے۔"

"کیوں پروفیسر صاحب! یہ غلط تو نہیں کہہ رہا؟" انسپکٹر
جمشید نے پروفیسر داؤد سے پوچھا۔

"ٹھیک ہی لگتا ہے، لیکن یہاں امونیا کہاں سے آئے گی۔"

انہوں نے کہا۔

"امونیا کی شیشی پروفیسر ڈبلنگ کی جیب میں ہو گی، کیوں پروفیسر؟" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں! ہے۔" اس نے کہا اور شیشی ان کی طرف بڑھا دی۔

انسپکٹر جمشید سمجھ گئے کہ ڈبلنگ چال چلنے کے موڈ میں ہے، ادھر وہ شیشی لینے کے لیے آگے بڑھتے اُدھر وہ ان پر جھپٹ پڑتا، وہ آگے نہیں بڑھے، پُرسکون لہجے میں گویا ہوئے۔

"تم خود ہی انہیں سنگھاؤ۔"

پروفیسر ڈبلنگ کا چہرہ لٹک گیا، وہ مایوس ہو گیا، کر ہی کیا سکتا تھا، باری باری انہیں امونیا سنگھانے لگا، تھوڑی دیر بعد ہی وہ اٹھ بیٹھے۔

"محمود، فاروق! ہم اس وقت حویلی کے باہر اس کے پچھلے حصے میں موجود ہیں، تم دونوں طوفانی رفتار سے دوڑتے ہوئے جاؤ اور تھانے دار سرفراز خان کو لے آؤ، اس سے کہنا، ایس پی صاحب کو بھی لے آئے۔"

"جی بہتر!" انہوں نے ایک ساتھ کہا اور دوڑ لگا دی۔

ان کے جاتے ہی انسپکٹر جمشید بولے۔

"خان رحمان اور فرزانہ...... تم دونوں ان کے ہاتھ پیر

باندھ دو۔"

"لیکن کس چیز سے، یہاں رسی کہاں؟"

"ان بستروں میں سے کسی ایک کی نواڑ اتار لو۔" انہوں نے کہا۔

ایسا ہی کیا گیا، ابھی وہ باندھ کر فارغ ہوئے تھے کہ جیپوں کی روشنی میں جنگل کا وہ حصہ نہا گیا، ایس پی اور تھانے دار جیپوں سے اتر کر ان کی طرف بڑھنے لگے، ان کے پیچھے حوالدار اور کانسٹیبل بھی تھے۔

"فرید! مجھے کھول دو، اور ان لوگوں کو گرفتار کر لو، اس شخص نے دو آدمیوں کو گولی مار دی ہے۔" ڈبلنگ ایس پی کو دیکھتے ہی چلایا۔

"اوہ! اور ان لوگوں نے آپ کو کیوں باندھ رکھا ہے؟" ایس پی نے تلملا کر کہا۔

"یہ میں بتاتا ہوں، اس سے نہ پوچھیے۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی حویلی اور حویلی میں ہونے والے کاروبار کے بارے میں بتایا، سارے واقعات سن کر تھوڑی دیر کے لیے ایس پی بھی چکرا گیا، شاید وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کیا کرے۔

"سوچ کیا رہے ہو، ان لوگوں کو گرفتار کر لو۔" ڈبلنگ

نے کہا،

"انہیں گرفتار کر بھی لوں، تب بھی آپ نہیں بچ سکیں گے۔" ایس پی نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"تو پھر انہیں اس گڑھے میں ڈال دو، اپنے ماتحتوں کو زبان بند کر لینے کے لیے کہہ دو، کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی کہ کیا ہو چکا ہے۔" ڈبلنگ نے نئی ترکیب بتائی، انسپکٹر جمشید اور دوسرے خاموشی سے یہ سب سُن رہے تھے۔

"مجھے سوچنے دیں، آپ نے الجھن میں ڈال دیا ہے، اگر آپ یہاں یہ کاروبار کر رہے تھے تو مجھے تو بتا دیا ہوتا۔" یہ کہہ کر ایس پی سوچ میں پڑ گیا۔

"ایس پی صاحب! آپ کے لیے بہتر یہی ہے کہ اپنے سُسر اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے قانون کے حوالے کر دیں۔" انسپکٹر جمشید نے اسے مشورہ دیا اور وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا، پھر اس کی نظر ان کے ہاتھ میں تھامے پستول پر پڑی۔

"اوہ! پستول اب تک تمہارے ہاتھ میں ہے، لاؤ، یہ مجھے دے دو۔"

"رہنے دیں، یہ میرے ہاتھ میں کچھ بُرا نہیں لگ رہا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں کہتا ہوں، پستول مجھے دو۔" ایس پی غرایا۔

"یہ نہیں ہو سکتا، پہلے اپنا فیصلہ سنائیے، آپ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ہمیں گڑھے میں ڈالنا ہے یا سُسر کو گرفتار کرنا ہے۔" انہوں نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا۔

"تم ایک شہری ہو اور پولیس کی موجودگی میں پستول ہاتھ میں نہیں لے سکتے۔" اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"میں نے یہ پستول تمہارے سُسر کی جیب سے نکالا تھا، اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیے۔"

"اور وہ تم بچا چکے ہو، لہٰذا یہ میرے حوالے کر دو۔"

"پہلے آپ مجرموں کو گرفتار کر لیں۔"

"مسٹر! اگر تم نے پستول میرے حوالے نہ کیا تو میں تمہاری گرفتاری کا حکم دے بیٹھوں گا۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"میں پھر بھی پستول تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔"

"اچھا تو سنو! میں پروفیسر ڈبلنگ کو گرفتار نہیں کروں گا، یہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگل میں جڑی بوٹیاں تلاش کرتے پھر رہے تھے کہ تم نے ان کے دو دو ساتھیوں کو ہلاک کر دیا، لہٰذا اب میں تمہیں گرفتار گا۔" سرفراز خاں آگے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں

ہتھکڑیاں لگا دو۔"

سرفراز خان نے جیسے سنا ہی نہیں، جوں کا توں کھڑا رہا۔

"سرفراز خان! میں نے تم سے کیا کہا ہے۔" اس کے لہجے میں تیزی آ گئی۔

"میں انہیں گرفتار نہیں کر سکتا سر! اس لیے کہ آپ مجرموں کا ساتھ دے رہے ہیں۔" سرفراز خان نے پرسکون آواز میں جواب دیا۔

"کیا کہہ رہے ہو، ہوش میں تو ہو۔" ایس پی فرید طاہر نے جھنجھلا کر کہا۔

"ان کا ساتھ دے کر آپ خود بھی جرم کر رہے ہیں۔" سرفراز خان بولا۔

"اگر اس وقت تم نے میرا ساتھ دیا تو بہت فائدے میں رہو گے، پروفیسر ڈبنگ تمہارے سامنے دولت کے انبار لگا دے گا۔"

"مجھے حرام کی دولت کا انبار نہیں چاہیے۔" اس نے منہ بنایا۔

"بہت اچھا! اب تم بھی اپنے انجام کے لیے تیار رہو۔" یہ کہہ کر وہ خود انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھنے لگا، یہ دیکھ کر انہوں

نے نالی کا رخ اس کی طرف کر لیا اور گرج کر بولے۔

"خبردار! اگر میری طرف ایک قدم بھی بڑھایا تو گولی مار دوں گا، سرفراز خان اسے گرفتار کر لو..... یہ برابر کا مجرم نہ سہی، مجرم کی مدد ضرور کر رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید بلند آواز میں بولے۔

"اسے دونوں طرف سے پکڑ لو۔" سرفراز خان نے اپنے ساتھی کانسٹیبلوں کو حکم دیا اور وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"میرا منہ کیا تک رہے ہو، یہ حکم اگرچہ میری زبان سے نکلا ہے، لیکن یہ ہے انسپکٹر جمشید کا حکم۔"

"انسپکٹر جمشید!!!" فرید طاہر کانسٹیبلوں اور پروفیسر ڈبنگ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! یہ انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق، فرزانہ اور ان کے ساتھی ہیں۔"

"اوہ!!!" فرید طاہر اور پروفیسر ڈبنگ خوفزدہ انداز میں لڑکھڑائے اور کانسٹیبلوں نے آگے بڑھ کر انہیں پکڑ لیا۔

تھوڑی دیر بعد انہیں ہتھکڑیاں پہنائی جا چکی تھیں، اور وہ سرنگ کے ذریعے اندر داخل ہو رہے تھے۔ حویلی کے نچلے حصے میں تین کمرے شراب کی بوتلوں سے

بھرے ہوئے تھے، چوتھے کمرے میں شراب تیار کرنے کی مشین
موجود تھی، پانچویں کمرے میں ایک خفیہ بٹن پایا گیا....
جسے دبانے پر ایک زینہ نمودار ہو گیا، اس زینے کے
اوپر بھی ایک بٹن دیوار پر لگا تھا، اسے دبانے سے
ایک اور دروازہ کھل گیا اور انھوں نے اپنے سامنے
اسی ہال کو دیکھا جس میں ہولناک لمحات گزار چکے
تھے،

اب پروفیسر ڈبلنگ کے کس بل نکل چکے تھے، اس نے
بتایا کہ ہال کے اوپر دوہری چھت ہے، درمیانی حصے میں
وہ بیٹھ کر اندر آنے والے لوگوں کو ڈرایا کرتے تھے. اس
جگہ سے پتھر بھی پھینکے جا سکتے تھے، آتش دان کی چمنی میں
سوراخ کیے ہوئے تھے اور ان سوراخوں میں سے سرنجوں کے
ذریعے جانوروں کا خون ٹپکایا جاتا تھا، آتش دان میں ملنے
والی کھوپڑی بالکل نقلی تھی اور پلاسٹر آف پیرس کی بنی
ہوئی تھی، لوہے کی زنجیر نظر نہ آنے والے مہین تار کی مدد
سے اوپر اٹھائی جاتی تھی، درمیانی کمرے میں آگ دراصل
کمرے کی دیوار پر آگ لگنے کے ایک منظر کی فلم کے
ذریعے دکھائی جاتی تھی، اس مقصد کے لیے انھوں نے
پروجیکٹر لگا رکھا تھا، آگ صرف چند سیکنڈ کے لیے نظر آتی اور

دوسرے یہی نظر آتا کہ کمرے میں آگ لگ گئی ہے، اس موقعے پر
فرزانہ کو ایک اور بات یاد آ گئی.

"اور اس کمرے سے آکسیجن کس طرح ختم ہو گئی تھی؟"

"اس مقصد کے لیے بھی ایک آلہ چھت پر لگایا گیا ہے،
جب اس کا سوئچ آن کر دیا جاتا ہے تو یہ آکسیجن جذب
کرنا شروع کر دیتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح اگزاسٹ
فین گندی ہوا خارج کرتے ہیں." پروفیسر ڈبلنگ نے بتایا اور
وہ حیرت زدہ رہ گئے، کس قدر سادہ طریقے تھے اور یہ
سب اس نے اپنی انجینئرنگ کی مدد سے کیا تھا، اوپر
جا کر جب انھوں نے دوہری چھت کو دیکھا تو پتا چلا کہ
یہ چکی کے دو پاٹوں کی مانند تھی، ان کے درمیان میں
جب پتھر ڈال دیے جاتے تو وہ خود بخود چکراتے ہوئے
نیچے گرتے تھے، کیونکہ دوہری چھت دائرے کی صورت میں
ڈھلوان بنائی گئی تھی.

"اس کا مطلب ہے، اس بار بھی ہماری تفریح خاک
میں مل گئی." فاروق نے سرد آہ بھری. "خیر کوئی بات نہیں،
ہماری تفریح کم از کم گل و گلزار تو ہو ہی گئی ہوگی."

"گل و گلزار..... کیا مطلب؟" ان کے منہ سے
ایک ساتھ نکلا.

"بھئی آپ لوگوں نے سنا ہی ہو گا کہ دانا خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے، تو کیا ہماری تفریح خاک میں مل کر گل و گلزار نہیں ہو گی، چلیے کم از کم گل تو ہو ہی جائے گی، گلزار نہ سہی"

اور وہ فاروق کو اس طرح گھورنے لگے جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

آیندہ ناول کی ایک جھلک

٢٠ مارچ کو پڑھیے | قیمت ١٠ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ١٣١

خون کے سوداگر

مصنف: اشتیاق احمد

- شکیل انصاری کے دروازے کی گھنٹی بجی۔
- دروازہ کھلتے ہی ان کی نظر تین آدمیوں پر پڑی، تینوں کے ہاتھوں میں کھلے خنجر چمک رہے تھے۔
- شکیل انصاری کے جسم سے خون نکال لیا گیا۔
- مجرموں نے ان کے جسم سے خون کیوں نکالا۔
- مجرموں نے خون کا کیا کیا؟
- ایک دلچسپ صورت حال۔
- آپ کے کردار آخر خون کے سوداگروں کا سراغ لگا لیتے ہیں

Uploaded for:
www.urdufanz.com
By: SHJ3

آیندہ ناول کی ایک جھلک

۲۰ مارچ کو پڑھیے

قیمت ۱۰ روپے

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز ۱۴

قاتل قصبہ

مصنف : اشتیاق احمد

- محمود نے تھانے دار کی جیب سے بٹوہ اڑایا اور آگے بڑھ گیا۔
- تھانے دار ہال میں موجود ایک بھیانک آدمی کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔
- اس کا خیال تھا کہ بٹوہ اس بھیانک آدمی نے چرایا ہے۔
- بھیانک آدمی کون تھا؟
- تھانے دار بھرے ہال میں محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کی تلاشی لیتا ہے۔
- بٹوے کے چکر میں وہ پورے قصبے کو اپنا دشمن بنا لیتے ہیں۔
- [illegible] پڑھیے اور دنگ رہ جائیے!